سرگذشت شریف زادہ

از

کے، ایم، مشیر احمد صاحب علوی بی اے (علیگ)

جوائنٹ سکریٹری آل انڈیا مشاعرہ لکھنؤ

باہتمام مسرور الحسن علوی

سلطانیہ برقی پریس لکھنؤ میں طبع ہوا

سرگذشت شریف زادہ

یعنی

خلاصہ شریف زادہ مشمولہ امتحان منشی الہ آباد

مرتبہ

ایم۔ کے۔ مشیر احمد صاحب علوی ناظر کاکوروی بی اے (علیگ)

جوائنٹ سکریٹری آل انڈیا مشاعرہ لکھنؤ

پبلشر:- انوار بکڈپو لکھنؤ

باہتمام:- مسرور الحسن علوی

سلطانیہ برقی پریس لکھنؤ میں طبع ہوا

سرگذشت شریف زادہ

"سرگذشت"

ہمارے کرم فرما مرزا عابد حسین کے والد مرزا باقر حسین لکھنؤ حضرت عباس کی درگاہ کے قریب رہتے تھے نواب مکرم الدولہ کی سرکار سے تعلق تھا۔ فراغت سے زندگی بسر ہوتی تھی۔ گھر میں ما نوکروں دس بیس روپیہ ہر وقت صندوقچہ میں رہتا تھا۔ عابد حسین کی شادی بھی مرزا باقر حسین نے اپنے مقدار و حوصلہ کے موافق بہت اچھی کی تھی برسویں دن خدا نے ایک چاند سا پوتا عطا کیا۔ جبتک مرزا باقر حسین زندہ رہے مرزا عابد حسین کو کھانے پینے کی فکر کبھی لاحق نہیں ہوئی محلے کے مولوی صاحب کے پاس عابد حسین فارسی پڑھتے تھے اور مدرسہ میں انگریزی بھی پڑھنے جاتے تھے۔

مرزا عابد حسین جب مڈل میں تھے تو ان کے والد کا انتقال ہو گیا لیکن جوں توں مڈل کا امتحان پاس کیا۔ اونکی والدہ کو نواب صاحب کے دربار سے

ساٹھ روپیہ ماہوار ملتا تھا لیکن بد قسمتی سے سال بھی پورا نہ ہوا تھا کہ نواب صاحب عتبات عالیات کی زیارت کی نیت سے ہندوستان سے کربلائے معلٰی چلے گئے اور وہیں ان کا انتقال ہو گیا اب یہ انٹرینس کلاس میں پڑھتے تھے اخراجات کے لئے اثاثہ بکنے لگا۔ تمام امیدیں امتحان پر موقوف تھیں امتحان کی فیس بیوی کی چوڑیاں گروی رکھ کر ادا کی لیکن عین امتحان کے دن والدہ کا انتقال ہو گیا۔ مجبوراً امتحان سے محروم رہے۔ اب مرزا عابد حسین کے لئے مصیبت وامتحان کا وقت تھا۔ ایک لڑکا تین برس کا ایک لڑکی چھ ماہ کی اور خود میاں بیوی۔ کوئی ذریعہ معاش نہیں لامحالہ ایک کنجڑہ کے پاس مکان ستر روپیہ پر گروی رکھا۔ اور خود محمود نگر کنے نالہ پر کرایہ کے مکان پر اٹھ گئے جی توڑ کے محنت کی۔ خدا نے محنت ٹھکانے لگائی۔ اب نوکری کی تلاش شروع ہوئی۔

مرزا عابد حسین کا منھ اترا ہوا ہے آنکھوں میں حلقے پڑ گئے ہیں بیوی بچوں کا دوسرا فاقہ ہے جیب میں ایک پیسہ بھی نہیں ہے کہ بچوں کے لئے چنے بھنا سکیں انٹرینس کا سارٹیفکٹ جیب میں ہے۔ مختلف خیالات میں گھرے ہوئے گول دروازہ تک پہنچے اکہ والوں نے شور کرنا شروع کیا لیکن بیچارے مرزا صاحب کے پاس کیا رکھا تھا کہ وہ اکہ پر بیٹھ کر

حضرت گنج جاتے سڑک کے کنارے پا پیادہ روانہ ہوئے۔

میاں تو نوکری کی تلاش میں نکلے بیوی غریب نے صبح سے ٹوپی بنانا شروع کی بارے دونوں پلے تیار ہو گئے تو اس کے فروخت کرنے کی فکر ہوئی مکان میں ایک کھڑکی تھی وہاں جا کر بی ہمسائی کو پکارا۔

بی ہمسائی ۔ کیا ٹوپی تیار ہوئی۔

حامد حسین کی بیوی ۔ ہاں بہن خدا خدا کر کے آج تیار ہوئی ذرا اپنے میاں کو دکھلا دو۔

میاں ۔ میرے خیال میں تو ۱۰ اار آنہ کو بک جائے گی۔

بیوی ۔ جلدی بیچ لاؤ بیچاری کے یہاں تیسرا فاقہ ہے۔

حسین علی ۔ تم نے پہلے سے نہ کہا بنئے کے یہاں سے کچھ لا دیتا۔

بیوی ۔ چپ رہو وہ کھڑی ہیں بڑی غیرت دار ہیں کہیں سن نہ لیں۔

یہ سن کر میاں حسین علی نے الگنی پر سے انگرکھا اتارا۔ اور ٹوپی جیب میں رکھ کر پارچہ والی گلی پہنچے ۔ کسی دوکاندار نے اار لگائے کسی نے ۱۲ ار ایک شوقین بھی ٹوپیاں دیکھ رہے تھے انھوں نے ٹوپی دیکھی اور کہا ۔

آپ ایک روپیہ مانگتے ہیں اور دوکاندار ۱۲ ار دیتے ہیں ۔

حسین علی۔ دوکانداروں کا کیا کہنا وہ تو کلی ڈال کے لوٹنا چاہتے ہیں۔
خریدار۔ اچھا چودہ آنہ لے لو۔
حسین علی۔ روپیہ سے ہرگز کم نہ ہوگی۔
خریدار۔ اچھا بھئی تمھاری ہی ضد سہی لو ایک روپیہ ہی لو اسکے ساتھ کی مل سکتی ہے۔
حسین علی۔ میرے پاس ایک ہی کاریگر ہے بارہ دن میں ایک تیار ہوتی ہے
خریدار۔ اچھا تو اگلی جو ٹوپی بنے تو ہم کو دینا۔
حسین علی۔ دولت خانہ؟
خریدار۔ جھوائی ٹولہ میں حکیم صاحب کے مکان کے قریب نواب محمد عباس صاحب کے کمرہ میں میر صاحب کے نام سے پوچھ لینا۔ روپیہ تو لو بھول گیا تھا۔
حسین علی۔ کیا ہرج ہے پھر مل جاتا۔ روپیہ لے کر خوش خوش قدم بڑھاتے ہوئے مکان چلے۔
جب روپیہ لے کر حسین علی مکان پہنچے تو اپنی بیوی کو دیا وہ خوشی خوشی کھڑکی کے پاس گئیں اور بی ہمسائی کو روپیہ حوالہ کیا۔
مرزا عابد حسین کی بیوی کو جو خوشی اوس روپیہ کی ہوئی وہ کسی طرح زبان قلم سے ادا نہیں ہوسکتی ہے پہنچی فوراً میاں حسین علی سے روپیہ بھنایا بنیئے کی دوکان سے اناج منگایا دو ٹکیاں ڈالیں اور بچوں کو کھلائیں اور

سلا دیا۔ بیٹی سے ایک ٹوپی کا کپڑا اور رنگ لاکر گیٹ سے ٹوپی چھاپی کاڑھنا شروع
کی ہاتھ کانپ رہے تھے مگر میاں کے بغیر کھانا ناممکن تھا۔ بیل بچے تھے
جیسے پھول بن گئے تھے اون کو غور سے دیکھا۔ پھر سوئی لگا کر ٹوپی
پیٹی میں باندھ دی۔ دل قوی تھا کہ چار دن کی جنس گھر میں موجود ہے

عابد حسین نے دن بھر کوشش کی ہر جگہ یہی صدا سنائی دی کہ کوئی
جگہ خالی نہیں ہے۔ صدر میں گوروں کو پڑھانے کے لیے بھی گئے لیکن
جہاں گئے ڈیم فول بنا کر نکالے گئے۔ اسی آوارہ گردی میں شام
ہو گئی۔ بال بچوں کا خیال آیا تو چکر آگیا وہیں گھاس پر بیٹھ گئے سوچا کہ
موتی محل کے پل پر سے گر کر جان دے دیں لیکن بیوی بچوں کے خیال
سے آنسو نکل آئے اور خیال آیا کہ خودکشی بزدلی اور نامردی ہے خاندانی وقار
کے خیال و بیجا توہم کو ترک کرنا چاہیے کل سے ٹوکری لیکر چوک میں جانا چاہیے اور محنت
مزدوری کرکے اپنا اور اپنے بچوں کا پیٹ پالنا چاہیے۔ یہ انہیں خیالات
میں تھے کہ ایک معمولی آدمی مرزئی پہنے ہوئے اون کے پاس آکر بیٹھ
گیا اور سوال کیا میاں کچھ پھارسی وارسی پڑھے ہو؟

عابد حسین۔ ہاں پڑھا ہوں۔

وہی شخص۔ یہ خط لالٹین کے پاس چل کر پڑھ دو۔

عابد حسین ۔ خط تو طومار ہے مطلب یہ ہے کہ بلدیو مستری کی معرفت
ایک ہزار کا لوہا خرید کر کے بھیج دو اور دو سو روپیہ نقد اس خط کے ذریعہ
سے بھیجا جاتا ہے وہ دے دینا اور باقی روپیہ لوہے کے پہنچنے کے وقت
بھیج دیا جائے گا ۔ لوہے کی فہرست بھی سنائی ۔
وہی شخص ۔ اچھا اس کا جواب بھی آپ ہی لکھ دیجئے ۔ بلدیو مستری کا مکان
قریب ہے وہاں چل کر لکھ دیجئے ۔
عابد حسین ۔ میرا مکان بہت دور ہے رات ہو جائیگی تم کسی دوسرے
سے جواب لکھوا لینا ۔
وہی شخص ۔ دیر کیوں ہوگی اگر ہو بھی گئی تو گھر کا اکّہ ہے اوس پر
بھجوا دوں گا ۔
عابد ۔ اچھا چلو ۔

کارخانہ میں پہنچے دیکھا کھپریلوں کا مکان ہے بڑا سا احاطہ ہے صحن میں
ہر طرف لوہے کا ڈھیر ہے ۔ دھونکنی چل رہی ہتھوڑے چل رہے ہیں
لوہا سرخ کر کے نکالا جاتا ہے سامنے ایک بوڑھا لیکن توانا آدمی عینک
لگائے بیٹھا ہے ایک پلنگ بھی پڑا ہوا ہے ۔ ایک صندوق پر عابد حسین کو
بٹھلا دیا اور چراغ دان لاکر سامنے رکھ دیا ۔ اور کہا مستری جی کو بھی یہ خط

سُنا دیجئے خط دوبارہ سنایا گیا۔ جواب کیلئے قلم دوات کی ضرورت محسوس ہوئی مستری نے کہا مادھو بھیّا کو پکار لو مادھو بھیّا بارہ ۱۲ سال کا لڑکا سامنے کھپریل میں بیٹھا ہوا پڑھ رہا تھا آواز سُن کر دوڑے پوچھا کاکا کیا ہے؟
وہ شخص۔ قلم دوات تنی لے آؤ تھوڑا کاگد بھی لیتے آئیو۔
بھیّا مادھو قلم دوات کاغذ لے کر آئے مرزا عابد حسین جواب لکھنے لگے اور بھیّا مادھو بھی وہیں بیٹھ گئے۔

جواب لکھنے میں بہت دیر ہوئی ہر قسم کا لوہے کا وزن اور قیمت مع نرخ کے لکھوایا جاتا تھا بھیّا مادھو کو ان سے بہت دلچسپی ہوئی اسی سلسلہ میں بلدیو مستری نے گفتگو شروع کی۔
بلدیو مستری۔ آپ کا دولت خانہ۔
عابد حسین۔ چوک کے قریب۔
مادھو بھیّا کو بلوالو گھنٹہ دو گھنٹہ آپ پڑھا دیا کرتے۔
بلدیو۔ آپ بہت دور رہتے ہیں
عابد حسین۔ ہوں۔
بلدیو۔ کچھ نہیں اگر مکان قریب ہوتا تو مادھو بھیّا کو گھنٹہ دو گھنٹہ پڑھا دیا کرتے
عابد حسین۔ دور رہتی کیا۔ جب شوق ہو تو مادھو آیا ہی کرتا ہوں۔

بلدیو - تو کیا آپ مادھو کو پڑھایا کریں گے ؟

عابد حسین - بڑی خوشی سے -

بلدیو - ماسٹر جانکی پرشاد کو جو میں دیتا تھا وہی میں آپ کو بھی دوں گا -

عابد حسین - اون کو کیا دیتے تھے -

بلدیو - پانچ روپیہ مہینہ -

مادھو - ہمارے امتحان کے آٹھ دن باقی ہیں اگر کل سے آئیے تو اچھا ہے -

عابد حسین - اچھا میں کل سے سات بجے پہنچ جایا کروں گا اگر سوار ہی میں گیا ہوا تھا - بلدیو مستری نے ایک چونی مرزا صاحب کو دی - پہلے تو مرزا صاحب نے انکار کیا مگر بلدیو کے اصرار پر چونی لے کر مکان چلے -

عابد حسین کو مایوسی اور ناکامی کے بعد امید کی کرن نظر آئی ۴/ جیب میں رکھے اور پاپیادہ گھر کی طرف چلے دس بجے خدا خدا کر کے گھر پہنچے بیوی نے دروازہ کھولا - اور جلدی سے دسترخوان بچھا کر کھانا چن دیا -

عابد حسین کو بڑی حیرت تھی کہ یہ انقلاب کیسے ہوا ؟

عابد حسین - یہ سب کہاں سے آیا - ؟

بیوی - وہی ٹیوشن آج ملی -

عابد حسین - [illegible] اور [illegible] حالات ون بھر کے سنائے

اور دونوں میاں بیوی نے کھانا کھایا خدا کا شکر ادا کیا نماز پڑھیں اور سو رہے۔

دوسرے دن سات بجتے بجتے مرزا عابد حسین بلدیو مستری کے کارخانہ پہنچ گئے تھے مادھو بہت شوقین لڑکا تھا پہلے سے کتابیں لئے بیٹھا تھا۔ مادھو کا اردو انگریزی خط ٹھیک نہ تھا۔ عابد حسین نے دو کاپیاں اسے بنوا دیں۔ جو لوگ مادھو کو اس سے قبل پڑھا چکے تھے وہ زیادہ وقت فضول باتوں میں صرف کرتے تھے اور مرزا عابد حسین شروع سے محنت کے عادی تھے ماں باپ نے کبھی بری صحبتوں میں بیٹھنے نہ دیا۔ لکھنؤ کے اکثر صاحبزادوں کو عنفوان شباب سے عشق بازی کا چسکا پڑ جاتا ہے لیکن مرزا عابد حسین اس بلا سے محفوظ رہے۔ انہوں نے مادھو سے پورے دو گھنٹہ محنت لی۔ بلدیو نے جب مادھو کو لکھتے دیکھا تو اشارے سے بلایا اور فرد حساب کی نکال کر پڑھوائی شکریہ ادا اور ماتادین بڑھئی کے حسابات کی جانچ بھی صاف کرائے اور مرزا صاحب کا نام بھی اسی فرد میں مع شرح تنخواہ لکھوا دیا۔

---

* مرزا صاحب کو دو گھنٹے کے بعد یہ معلوم ہوا کہ کسی مزدور کو ڈیڑھ روپیہ سے کم نہیں ملتا اور خود مرزا صاحب ۲۰ روپیہ سے کچھ زیادہ

پاستے تھے۔ انہیں خیالات میں تھے کہ خیال آیا کہ اڈٹ آفس میں درخواست
دے آئے تھے وہاں چل کر جواب دریافت کرنا چاہیئے۔ لیکن یہ خیال
کر کے کہ ابھی بہت سویرا ہے رکاب گنج سے بیجی گنج کے پھاٹک تک دو طرفہ
سیر و تماشہ دیکھتے ہوئے نخاس چلے گئے اور وہاں سے اپنے گھر پہنچے کھانا
پکا پکایا رکھا تھا۔ بچے کھیل رہے تھے بیوی ٹوپی کاڑھ رہی ہیں
اون کے پہونچتے ہی دسترخوان بچھا اور سب لوگوں نے شکر کر کے کھانا
شروع کیا اب دوسرے دن چھ بجے صبح تک کوئی کام نہ تھا مرزا
عابد حسین کو اپنے اہل و عیال کے آزوقہ کی فکر تھی تقدیر کی پیچیدگی
نہ انہوں نے کسی کتاب میں پڑھی ہے۔ اور نہ ان ذرائع سے [illegible]
کر سکتی تھی وہ اپنے وقت کو کسی مفید کام میں صرف کرنا چاہتے تھے لیکن
وقت کا انتظار رہا موسر کیطرح نسخہ کی فکر میں نکلے مگر ابھی تک کوئی آستا کا حل نہ ملا تھا

اپنی قدیم کتابوں کو حسرت سے دیکھا الجبرہ مفصولیشن پر نظر ڈالی۔ غرضیکہ
مفلسی نے ترقی کی راہوں کو مسدود کر دیا کچھ دیر کے بعد خیال آیا کہ ادھر قسمت کا
سمت آزمائی کرنا چاہیئے ایک بجے کے قریب اڈٹ آفس پہنچے تو [illegible]

معمولی جواب "نو ویکنسی" کوئی جگہ نہیں ہے ملا۔ افسوس نہیں ہوا ہوا ــ

خلاف توقعات نہ تھا۔ دفتر سے نکلنے والے ہی تھے کہ اون کے مدرسہ
ایک طالب علم سے جس نے چوتھے درجہ سے تعلیم چھوڑ دی ملاقات ہوئی او
معلوم ہوا کہ وہ ٹریسروں میں دفتر میں نوکر ہے مرزا عابد حسین کو یہ معلو
نہ تھا کہ ٹریس کیسے کیا جاتا ہے اس لئے رضا حسین اون کو اپنے دفتر
لے گیا وہاں اونچی اونچی میزیں لگی ہوئی ہیں اون پر نقشے بچھے ہوئے تھے
اُن پر ایک قسم کا باریک موم جامہ پیتل کی کیلوں سے جڑا ہوا تھا او
اوزاروں کے بکس کھلے ہوئے رکھے تھے کوئی خط پر خط کھینچ رہا تھا کوئی
رنگ کی پیالیاں رکھے رنگ دے رہا تھا مرزا نے ہر چیز کو بڑی غور سے
دیکھا اور جو بات سمجھ میں نہ آئی ٹریسروں نے بتائی اتنے میں چپراسی نے
کہا صاحب آتے ہیں۔ مرزا نے دفتر سے جانے کا ارادہ کیا لیکن اون
لوگوں نے کہا فکر نہ کرو صاحب کچھ نہیں کہینگے ایک تپائی پر انہیں بٹھا دیا
صاحب دفتر میں آیا سب کا کام دیکھا مرزا اجنبی تھے اون سے سوال کیا
کہ آپ کون ہیں تو وہ گھبرا گئے لیکن رضا حسین نے کہہ دیا میرے پاس آئے ہیں
صاحب نے پوچھا ٹریس کا کام جانتا ہے رضا حسین نے جھوٹ موٹ کہہ دیا
سیکھتے ہیں۔ صاحب تو چلے گئے مرزا نے کہا بھئی خوب کہا کہ سیکھتے ہیں اچھا
تو سچ مچ سیکھو تو سکھا دو گے۔

رضا حسین نے کہا اُستاد نبی بخش رڑکی کے سند یافتہ ہیں انہیں سے سیکھ لو لیکن مٹھائی دینا ہوگی۔ عابد حسین نے کہا کہ کل مٹھائی کے دام لیتا آؤں گا لیکن رضا حسین نے چپراسی کو ایک روپیہ دیا اُسی وقت مٹھائی آئی اور مرزا عابد حسین اُستاد نبی بخش کے شاگرد ہو گئے۔

نبی بخش نے ایک ٹکڑا اٹریسنگ کلاتھ کا ان کے سامنے رکھا اور ایک جدول قلم سیاہی بھر کے بتا دیا کہ اس طرح سے خط کھینچے انھوں نے خط کشی شروع کی اور گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹے میں ہوئے تھے خط اُن کے ہاتھ سے نکلنے لگے۔ مرزا کی انگریزی تحریر بہت پاکیزہ تھی اُستاد نبی بخش نے چھاپے کے حروف لکھنے کا طریقہ بھی بتا دیا اور ایک باریک قلم اور تھوڑا سا ردی ٹریسنگ ہاتھ دیا کہ اس پر ان حرفوں کی مشق کی جائے۔ مرزا عابد حسین ۴ بجے تک بڑی محنت سے کام کرتے رہے لیکن رضا حسین کے روپیہ کے ادائی کی طرف سے پریشان ضرور تھے۔ رضا حسین شاہ گنج کی طرف رہتے تھے رستے میں مرزا سے باتیں ہوتی رہیں اور پانچ بجتے بجتے گھر پہنچ گئے۔

مرزا عابد حسین کو دنیا میں جس قدر کامیابیاں ہوئیں اُس میں اُن کی نیک بخت بی بی کی صلاحیت کا بڑا دخل تھا دونوں کو ایک دوسرے پر اعتماد تھا۔ مفلسی کے زمانہ میں بی بی کے زیور اور اسباب کو بیچ بیچ کر

کام چلتا تھا مگر اوس کا ظاہر کبھی میاں کو نہیں دیا۔ رات کو انھوں نے
نقشہ بنانے کی سیاہی ایک چھوٹی سی پیالی میں گھولی اور دس گیارہ
بجے تک پرنٹ کی مشق کرتے رہے۔

دوسرے دن صبح کو بلدیو مستری کے کارخانے گئے اور وہ
سے پڑھا کر ریل کے دفتر پہنچے اور عکس کشی کی مشق کرنے لگے۔ آج صاحب
نے پھر دیکھا لیکن کوئی سوال نہیں کیا دفتر میں ٹریسروں کی ضرورت
پہلے ہی سے تھی استاد نبی بخش نے صاحب سے کہہ کر اونکا نام بھی
لکھوا دیا اور مرزا صاحب بیس روپیہ ماہوار پر نوکر ہوگئے مادھو کا پڑھانا
ترک نہیں کیا۔

اکثر ایک ہی وقت کھانا ملتا تھا لیکن پچیس روپیہ ماہوار کا
ہو گیا۔ بیوی بھی مطمئن تھیں لیکن انھوں نے بھی اپنا کام نہیں چھوڑا
[illegible] بھی پہلے کچھ نہیں لیتے تھے لیکن اب ار روپیہ اونکا بھی تھا
ان [illegible] انتیس روپیہ میاں بیوی پیدا کر لیتے تھے۔ اگر کم
دوسرا شخص ہوتا تو پست ہمت ہوتا۔ اور آیندہ کچھ ترقی نہ کر
مگر [illegible] دوست مرزا عابد حسین توکل کے غلط نام سے آشنا
اور نہ [illegible] سے واقف تھے۔ ان کو عکس کشی کے بعد نقشہ
کا شوق [illegible] استاد نبی بخش رڑکی کالج کے سند یافتہ تھے انکو

کہا کہ اقلیدس کا چھٹا مقالہ یاد کر لیجئے۔ مرزا صاحب نے چھٹا مقالہ
مع پانچویں مقالہ کے چند روز میں یاد کر لیا تو اُستاد نبی بخش نے
اون کو نقشہ کشی سکھانا شروع کی۔ نبی بخش مرزا سے انگریزی پڑھتے
تھے اور مرزا نقشہ کشی سیکھتے تھے نقشہ کشی کے ساتھ تخمینہ عمارات
کا بھی شوق ہوا اس کے لیئے اقلیدس کا گیارھواں بارھواں مقالہ
اور علم مساحت مجسمات بھی حاصل کیا۔ غرضکہ ہمارے مرزا جو اپنی
دھن کے پکے تھے ۶-۷ ماہ میں پورے نقشہ نویس اور اسٹیمیٹر
ہوگئے۔ اتفاق سے منشی نبی بخش کو ایک ماہ کی رخصت لینا پڑی
اور عیوضی میں مرزا صاحب کو پیش کیا۔ صاحب مرزا کے نام سے
بہت خوش ہوا لیکن وقت یہ ہوئی کہ مرزا کو پیمایش کا کام بالکل
نہ آتا تھا منشی نبی بخش کے آنے کے بعد اون کو ٹریسری پر جانا پڑا
لیکن صاحب کی کارگزاری کی بنا پر بہت عمدہ سارٹیفکٹ دیا
اب مرزا عابد حسین پھر وہی پانچ روپیہ کے رہ گئے کیونکہ
ٹریسروں کی بھی اب ضرورت نہ رہی تھی اس لئے تخفیف میں
آگئے اب اس زمانہ میں انھوں نے سرویئنگ کا کام سیکھا اور
منشی نبی بخش کے ایک دوست منشی اللہ بخش صدر میں اوورسیئر
تھے اون کے پاس جانے لگے انھوں نے پڑنہ ٹیبک اور لیول کی

پیمایش اچھی طرح سکھا دی۔

اتفاق سے پنجاب یونیورسٹی کا کلنڈر محلہ میں کاظم علی کے
پاس دیکھا انجینیرنگ کے صیغہ کے امتحانات دیکھے خوشی سے اچھل
پڑے اپنے دلی دوست سید جعفر حسین صاحب (جو رڑکی کے سند یافتہ
تھے) کے پاس گئے۔ سید صاحب نے اون کو صلاح دی کہ اس
امتحان میں عمر وغیرہ کی قید بھی نہیں ہے ریاضی تحریر اقلیدس
مساحت آپ پڑھ چکے ہیں سروینگ ڈرائنگ آپ کافی
جانتے ہیں جہاں آپ کی سمجھ میں نہ آئے گا میں سمجھا دوں گا
مئی میں امتحان ہوگا۔ اگست کا مہینہ اس حساب سے ۹ ماہ کا
وقفہ بہت کافی ہے لیکن آپ نے کلکتہ کا امتحان پاس کیا ہے
گر سنڈیکیٹ کی خاص اجازت سے پر یونیورسٹی کا پاس شدہ
لیا جا سکتا ہے۔ بہتر ہے آپ درخواست دے دیجئے۔ اسی وقت
درخواست کا مسودہ لکھا گیا جعفر حسین نے انجینیرنگ کی کتابیں
اون کے حوالہ کیں اور مرزا عابد حسین نے عرضی لفافہ میں بند کر کے
ڈاک میں چھوڑ دی اور انجینیرنگ کا مطالعہ شروع کر دیا سید
جعفر حسین اور بلدیو کے کار شاگردی [illegible] صاحب کو بہت مدد ملی

سامان عمارت اور فن تعمیر کی تو سید صاحب نے تعلیم دی۔ فن نجاری اور آہنگری بلدیو مستری کے کارخانہ میں سیکھی

بلدیو کے کارخانہ میں اُنکو خاص دلچسپی تھی اس لیئے انھوں نے لوہے کا کام سیکھنا شروع کیا اتفاق سے پان دان کے سروتے کی کیل ٹوٹ گئی۔ ہُلاسی لوہار کو سروتا دیا کہ اسمیں کیل ڈال دے اتفاق سے وہ بھول گیا مرزا کو گھر جانے کی جلدی تھی۔ ایک کیل وہاں پڑی تھی اُسے اُٹھا کر اپنے ہاتھ سے ڈالنا چاہا کیل ڈال کر ہتوڑے سے سر کو چپٹا کرنے لگے ہتوڑی انگلی پر پڑ گئی انگلی ذخمی ہو گئی ہُلاسی نے جو یہ دیکھا ہنسنے لگا اور سروتے میں کیل ڈال دی اس وقت کی خفت کام کر گئی اور مرزا صاحب نے ہُلاسی کے پاس بیٹھنا شروع کیا پہلے تو وہ ہنستا لیکن بعد کو وہ کام سکھانے لگا چند ہی روز میں ایک بھٹی گھر میں بنائی اور ایک دھونکنی مول لی۔

نخاس سے بہت سے اوزار خریدے۔ مختلف پرانے اوزار اٹھائے گئے میاں حسین علی کے ذریعے سے برف کی مشین فروخت کی بہت فائدہ ہوا پیسنے کی کل ٹوٹی ہوئی خریدی اُسکے پرزے خود ہی ڈھالے میاں حسین علی کام لاتے تھے اور مرزا کی بیوی سیا کرتی تھی اس کام میں چکن کی ٹوپیوں سے زیادہ بافت تھی۔ لکڑی کے کام کا شوق ہوا۔ تپائیاں گھڑونچیاں۔ الماریاں۔ چوکیاں۔ تخت بنا بنا کر بیچنا شروع کیئے خدا نے اُسمیں ایسی برکت دی کہ دہ نگاہ و الا مکان چھڑا لیا اور جس مکان میں

رہتے تھے اُس کو خرید لیا بیوی کے ہاتھ گلے میں بھی کچھ زیور ہو گیا جسمیں
ایک حبہ بھی مرزا کی کمائی کا نہ تھا۔ مرزا انتہائی محنتی تھے پنجاب یونیورسٹی کا
امتحان اول درجہ میں پاس کیا۔ امتحان پاس کرنے کے بعد ساٹھ روپے لی کے
ماہوار تنخواہ اور ۱۵ روپیہ بھتہ پر نوکر ہو گئے گو محکمہ تعمیرات میں ناجائز طور سے اچھی
آمدنی کی بہت گنجایش ہے مگر مرزا نے کبھی ایک حبہ بھی سوا تنخواہ کے نہیں لیا بلکہ سند
انھوں نے جو کچھ پیدا کیا وہ قوت بازو سے حاصل کیا۔ ایک مرتبہ اکزیکٹیو انجینیر نے اس
انجنیر نے ایک منحرف پل کے محرابچے قالب کی اسکیم بنانے کو دیا اور کہا
کہ بڑھئی خانہ سے ایک ایسا قالب بنوا دو لطف یہ تھا کہ تیسرے دن
وہ دورہ پر جانے والے تھے مستری کی سمجھ میں نہ آتا تھا مجبوراً خود قالب
بنانا شروع کر دیا آدھا بنایا تھا کہ صاحب کارخانہ میں معائنہ کو آئے اُن کو
بناتے ہوئے دیکھ کر بہت خوش ہوا اسی طرح ایک مرتبہ لوہے کا کام
کرتے اپنی آنکھوں سے دیکھا جب صاحب کی تبدیلی ہوئی تو سروس بک
میں ترقی کی سفارش کی اور لکھا کہ عابد حسین اپنے کام میں ہوشیار اور
بڑھئی اور لوہاری کا کام اپنے ہاتھ سے کر سکتا ہے اسکا نتیجہ ہوا کہ وہ تین
سال کی ملازمت کے بعد سب انجینیر ہو گئے ایک مرتبہ سرحد افغانستان پر
پیمایش کر رہے تھے صاحب ساتھ تھا کہ دفعتاً ... نے آ کر گھیر لیا
مرزا نے سینہ سپر ہو کر صاحب کی جان بچائی چنانچہ صاحب نے ولایت
جاتے وقت اپنے سارٹیفکٹ میں اسکا اشارہ کیا ہے۔
جس زمانے میں مرزا عابد حسین محکمہ نہر میں ملازم تھے ایک شوقینہ

یڈ کلرک سے عداوت ہوگئی وجہ عداوت یہ تھی کہ ورکا ٹھیکہ دار جسکی معرفت
جبایوں کے پلوں کی مرمت ہوا کرتی تھی دس روپیہ سیکڑا اور سیر
حب کو ملتا تھا۔ جس کی جگہ پر مرزا صاحب گئے تھے اُسمیں اور ہیڈ کلرک
نصفا نصفی کا معاملہ تھا۔ مرزا اصول کے سخت تھے۔ پیمائش میں ایک انچ
کسر نہ رکھی۔ ٹھیکہ دار کی نانی مرگئی اور اس طرح ہیڈ کلرک کا سخت
نقصان ہوا۔ اشارۃً وکنایۃً مرزا صاحب سے کہلوایا۔ لیکن مرزا صاحب
نے کوئی توجہ نہ کی۔ ہیڈ کلرک صاحب کے کان اُن کے خلاف بھرنے
لے پہلے تو صاحب نے کچھ توجہ نہ کی لیکن کہاں تک سُن سکے وہ بھی
افق ہوگئے آخر صاحب کو بھی سوءِ ظن ہوگیا۔

ایک مرتبہ پانچ میل کا لیول صاحب نے کہا تھا مرزا کو اُسکی جانچ کے واسطے
بھیجا۔ مرزا نے پیمائش کی عجلت کی وجہ سے فیلڈ بک دفتر میں دے دی
ہیڈ کلرک نے موقعہ پاکر فیلڈ بک غلط کردی دس میل کی غلطی پانچ میل میں
دیکھ کر صاحب آگ بگولہ ہوگئے اور مرزا صاحب بھی نادم ہوئے لیکن سخت
پریشان فوراً خیال آیا میکنا فائر سے مٹے ہوئے پنسلی داغ صاف پڑھ لئے گئے
دوسرے دن پھر لیول کیا۔ اتفاق سے اول دن کا ایک کاغذ سڑک
کے کنارہ پر پڑا ہوا مل گیا۔ صاحب کے بنگلہ پر جا کر حقیقت حال بیان کی
صاحب بڑے بابو پر مہربان تھے کچھ شک ہوا لیکن تدارک نہ کیا۔

دفتر والوں کو زک ہوئی اس لئے ایک ٹھیکہ دار نے رشوت دینے کا اظہار صاحب کے سامنے دلوا کر صاحب کو یقین کرا دیا اور اُسنے مرزا کو معطل کر دیا۔ مرزا پہ جرم عائد ہو گیا جیل خانہ جانے میں کوئی بات باقی نہ تھی صاحب کو مرزا سے کوئی ہمدردی نہ تھی۔ ہیڈ کلرک اور انکے ماتحت بہت خوش تھے مرزا کارگزار مشہور تھے لیکن صاحب قدر شناس نہ تھا مرزا ذرا مزاج کے تیز اور اکھڑ بھی تھے ان کو کسی بات کی تاب نہ تھی ایک مرتبہ صاحب نے اُن کو اُلو کہہ دیا تھا مرزا صاحب نے بھی ترکی بہ ترکی جواب دیا۔ صاحب اس واقعہ سے دل میں کینہ رکھتے تھے اور اُن کا بھتہ اسی جرم میں بند کر چکے تھے۔

اتفاق سے ایک شراب خانہ میں نتھو بہاری ٹھیکہ دار اور رام دین ایک اور ٹھیکہ دار بھرا اڑا رہے تھے نتھو بہاری اور رام دین میں گفتگو ہو رہی تھی کہ جس دن کا یہ واقعہ ہے اُس دن صاحب نے بیتا نالے کا پل دیکھا۔ مرزا بھی ساتھ تھے میری مدت گئی تھی میرے پیچھے پر صاحب کا ملاحظہ لکھا ہوا ہے وہاں سے ۴ میل آگے صاحب نے نتھوا کھیڑہ میں قیام کیا دوسرے دن بھی مرزا صاحب کے ساتھ برابر رہے بھلا نتھو دین کھیڑہ سے ہامرپور ۳۴ میل کے فاصلہ پر مرزا مجھ سے رشوت لینے کس وقت گئے تھے نتھو بہاری نے کہا کہ مدعی کو صاحب دوا گئے اُنکی کتاب میں ۱۷ تاریخ کا دورہ لکھا ہے تو ۳ مئی تک رہا ہے

رام دین نے کہا کہ یہ غلط ہے کہ سے اپنے ہیں کھلا ہوا جعل ہے شیلو بہاری نے کہا تم اور مرزا
کے برس کو چلے ہم تو اس کے باپ کو پھنسائیں گے جو ہمارا نقصان کرے
دونوں نشہ میں باتیں کر رہے تھے کہ لکھی چمار جو مرزا کے سائیس کا
بھائی تھا۔ مقدمہ کی روداد سن رہا اور مٹھر اپی کے نیم کی درخت کی
آڑ میں چلم پینے لگا۔ گھر پہنچتے ہی اسنے بھائی مکا سے کل واقعہ بیان کیا
مکا نے کل قصہ مرزا سے بیان کیا۔ رام دین مع چھٹے کے طلب کر لیئے
گئے۔ یہ شہادت بریت کیلئے کافی تھی۔ مرزا کے ایک دوست نے پوری
گفتگو قلمبند کر کے انگریزی اخبار میں چھپوا دی۔ یہ اخبار صاحب
سپرنٹنڈنٹ انجینیر کی نظر سے بھی گزرتا تھا۔ انھوں نے بڑے صاحب نے
اسی وقت ایک چٹھی سشن جج اور ایک چٹھی اگزیکٹو انجینیر کو لکھی مقدمہ
کی صورت بدل گئی مرزا نہایت عزت سے بری ہو گئے اور شیلو بہاری
پر الٹا مقدمہ چلا۔ ہیڈ کلارک بھی پھنس گئے۔ مگر جعل ثابت نہ ہو سکا۔
شیلو بہاری کو دو سال کی سزا ہوئی صاحب بھی بدل گئے اور جو صاحب
آئے ان سے مرزا سے خوب موافقت ہو گئی اور سپروائزر کے عہدہ پر ترقی ہو گئی

انسانی ذہنی ترقی کے دو سبب ہیں داخلی اور خارجی داخلی کی
دو قسمیں ہیں استعداد ذاتی اور قابلیت موروثی اور خارجی کی بھی دو
قسمیں ہیں۔ اسباب طبیعی اور نظام معاشرت۔ مرزا عابد حسین کی
کی زندگی پر بھی ہم انہیں اسباب پر منطبق کر سکتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ

کہ مرزا کی تعلیم و تربیت میں غفلت نہیں ہوئی لیکن موروثی قابلیت کا یہ
حال ہے کہ ان کے خاندان میں سوا ان کے اور کوئی ایسا پڑھا لکھا نہ تھا
جس کو پڑھا لکھا کہہ سکیں اور نظام معاشرت کی طرف نظر کرنے سے
بالکل میدان صاف ہے ہم محلہ لڑکوں میں کوئی بھی اس قابل نہ تھا
جس کا ذکر انکی شہرت کے ساتھ کیا جائے۔
کوئی کہاروں کا مہرا تھا۔ کوئی آڑھتیا۔ کوئی لال چڑکوؤں کے
شوق میں مبتلا رہا۔ کسی نے کبوتر پالے کوئی صاحب چنڈو بنانے
میں کامل ہوئے اور کسی نے بٹیر کی چونچ ایسی بنائی کہ شاید باید
کوئی بے بدل بانکا بنا۔ کوئی سوزخوان تھا اور کوئی حدیث خوان
ایک صاحب شاعری کے خبط میں مبتلا رہے حسرت تخلص کرتے
تھے پڑھے لکھے واجبی واجبی تھے

ان کے مذاق کے صرف ایک دوست سید جعفر حسین تھے جو شہر میں ہو
نہ تھے۔ لہذا مرزا نے اپنے فارم کو علمی اصول پر درست کیا تھا فارم پر
مردانہ اور زنانہ مکان دونوں تھے صداقت نجاری کے آلات علم
کمسٹری اور علم نباتات کے نمونے جمع تھے اور اوسی کے قریب
ایک سمر ہوس بھی بنا ہوا تھا جس کا کام خود مرزا صاحب اپنے
ہاتھ سے کرتے تھے [illegible] حکم دی۔ جب تک پڑھا
جانتے ہی نہ تھے زراعت [illegible] مرزا کے دائمی شریک تھے

امور خانہ داری سے مرزا کو کوئی تعلق نہ تھا بیٹے بہو کا کارخانہ مرزا نے خود علیحدہ کر دیا تھا۔

مرزا اور انکی بی بی نہایت درجہ کفایت شعار تھے ورنہ گھر کا خرچ نہ چلتا انھوں نے تیسرے درجہ کی سب اوریسیری سے اسسٹنٹ انجینیری کے درجہ تک ترقی کی یہ ترقی مرزا کی قابلیت کو دیکھتے ہوئے کچھ بھی نہ تھی۔ اگر مرزا کی سیرت سے افسران بالا آگاہ ہوتے تو شاید اعلیٰ ترین عہدہ محکمہ تعمیرات تک ان کی ترقی ممکن تھی۔ مرزا کا قول تھا کہ انہیں اپنی زندگی میں افسروں کے استقراء ناقص اور سوء ظنی سے بہت نقصان پہنچا اور دفتروں میں شاذ و نادر خدا کے بندے ایسے ہیں جو حرام و حلال میں فرق کرتے ہیں اکل حلال اور صدق مقال کا کہیں ذکر نہیں، نوکری سے پنشن لینے کے بعد مرزا نے چند موضع مضافات لکھنؤ میں خریدے۔ اور ایک قطعہ نزولی لکھنؤ میں لی۔ لیکن یہ خیال کرکے کہ صوم اور صلوٰۃ اور جمیع اعمال غیر نزولی زمین پر باطل ہیں اس لئے چاہا کہ اصلی مالک سے بحل کرالیں ورثا سے اس کے صرف ایک نابالغہ نکلی۔ اس کا نام سکینہ تھا۔ مرزا نے سکینہ کی خالہ سے لیکر اس کو اپنی سرپرستی میں لے لیا اور فرزندوں کی طرح اس کو پرورش کرنے لگے مرزا کی بی بی نے اس کو اپنے ڈھنگ پر لگا لیا اور تین برس کے بعد اپنے لڑکے احمد علی کے ساتھ عقد کر دیا اور اسی طرح

اپنی لڑکی کی بھی شادی واحد حسین صاحب کے لڑکے سے کردی شرعی عقد کیا نہ ڈومنیاں ناچیں اور خلاف جمہور مرزا نے جملہ بیہودہ رسموں کو ترک کر دیا شربت پلائی کی رسم بھی مرزا نے نہ کی۔ ان شادیوں سے مرزا سبکدوش ہو گئے سال میں ایک ماہ لکھنؤ رہتے تھے اور بقیہ زمانہ موضع پر گزارتے تھے اور کتب بینی میں مصروف رہتے تھے

. مرزا عابد حسین کے دور کے رشتہ داروں میں ایک شخص مرزا فدا حسین نامی لکھنؤ کے رہنے والے تھے مرثیہ خوانی کرتے تھے۔ عشرہ محرم میں کسی سرکار سے صرف پچیس روپیہ کی آمدنی تھی جس زمانہ میں مرزا صاحب میرٹھ میں اسسٹنٹ انجینئر تھے مرزا فدا حسین مرثیہ خوانی کے لیے اسی ضلع میں ایک رئیس کے مکان پر تشریف لے گئے محرم کی مجلسوں میں مرزا صاحب سے ملاقات ہوئی۔ ایک مجلس پڑھوائی اور اس حیلہ سے پچاس روپیہ اپنے پاس سے دیئے دوسرے سال پھر ایسا ہی اتفاق ہوا۔ مرزا عابد حسین نے ملازمت کی خواہش ظاہر کی مرزا صاحب نے صاحب سے کہہ کر ۱۵ روپیہ کی محرری دلوا دی۔ مرزا فدا حسین خوشی خوشی لکھنؤ گئے اور مع اہل و عیال میرٹھ پہنچ گئے ..

. مرزا فدا حسین کی بیوی سکینہ بیگم بہت ہی تنک مزاج تھیں۔ صبح سے

نو بجے سو کے اٹھتا۔ اسی طرح بچوں کی بھی بری عادتیں تھیں اور لطف یہ ہے
کہ خیال کرتی تھیں کہ مرزا عابد حسین کا کوئی مطلب ضرور ہے ورنہ نوکر
نہ رکھواتے۔ مرزا عابد حسین کی بیوی جس قدر ان کی خاطر داری کرتی تھیں وہ
اس کو خوشامد اور مطلب براری تصور کرتی تھیں اور یہ سمجھتی تھیں کہ
مرزا نے ان کے شوہر اور ان پر وہ ظلم کیا ہے جس کی تلافی روز قیامت تک بھی
ممکن نہیں۔ اٹھتے بیٹھتے یہ تکیہ کلام تھا۔ ہائے پندرہ سو روپیہ کی نوکری کے لیے
گھر چھوٹا بار چھوٹا موئے جنگل میں آ کے رہنا پڑا اگر یہاں کوئی مر جائے
تو کیا ہو کھٹیا پر اٹھایا جائے فاتحہ درود بھی اچھی طرح نہ ہو۔ چولہے پڑے
وہ سونا کہ جس سے ٹوٹے کان۔ شہر کے چنے اچھے اور باہر کا پلاؤ [illegible]
رقیہ بیگم نے ایک آدھ بار جو ان کو ٹوکا تو خاصی لڑائی ہو گئی بولنا چالنا
بند ہو گیا۔ مرزا عابد حسین کی بیوی کا ناک میں دم تھا۔ سب سے زیادہ
ان کو تکلیف یہ تھی کہ سکینہ بیگم نماز مطلق نہ پڑھتی تھیں ایک دو [illegible]
میں انہوں نے سمجھایا لیکن سکینہ بیگم پر مطلق اثر نہ ہوا ایک مرتبہ [illegible]
بحث چھڑ گئی۔ اور جب رقیہ بیگم نے کہا کہ ایسا ماتم کوئی کام [illegible]
کہ نماز فرض تو پڑھی نہیں اور ماتم کر لیا تو سکینہ بیگم نے کہا [illegible]
کہ بھابی باہر رہتے رہتے تمہارا ایمان درست نہیں [illegible]
ماتم کو تم اس طرح کہتی ہو وہ تو ایک پر ایک ایک ہے
رقیہ بیگم نے کہا نماز ہزار پر ایک [illegible]
سکینہ بیگم جھنجھلا کے کہنے لگیں تم بچی ہو اور تمہارا رستہ [illegible]

تم نے بھی میاں کے ساتھ ایمان کھو دیا۔ مرزا فدا حسین کی بیوی میں ایک خاص صفت اور تھی کہ بات بات میں گالی ہنسی میں ہو خواہ غصہ میں ہر ہر لفظ کے بعد ایک موٹی سی گالی ضرور شریک کر لیتی تھیں اور معصوم بچہ جو گود میں تھی جب کوئی گالی کا لفظ اُسکے منھ سے نکل جاتا تھا تو بہت خوش ہوتی تھی۔

مرزا فدا حسین کے صاحبزادہ میاں ذاکر چودہ برس کے تھے ضلع جگت پھبتی میں طاق تھے ان کو کنکوے کا بڑا شوق تھا دفتر سے ٹریسنگ پیپر کی ایک گڈی اڑا دی اور پیمائش کرنے کی جھنڈیوں سے ایک بانس لیا اس کو کاٹ کر کانپ ٹھڈے چھیلے کئی کنکوے تیار ہو گئے ڈور کے لئے اماں کی پچکیں ستیاناس کیں

اتفاق سے ایک دن کنکوا ٹوٹ کے ایک کسان کے کھیت میں گرا میاں ذاکر کھیت کو روندتے پامال کرتے کنکوے کو اٹھا لانے سے دو ایک مرتبہ تو کسان چپکے انجینیر کا لحاظ کیا لیکن [illegible] مجبوراً اُس کو انجینیر صاحب سے کہنا پڑا۔ مرزا صاحب کو تعجب ہوا کہ کنکوا کہاں سے آیا تھا بہت خفا ہوئے حکم دیا کہ صاحبزادے دفتر میں نہ جانے پائیں ٹریسنگ پیپر [illegible] اس [illegible] روزنامچہ میں داخل کیا

انجینیر صاحب کے بنگلہ کے قریب ایک سرکاری باغ تھا اسکی

نگرانی مرزا صاحب کے ذمہ تھی۔ سال بہ سال اُس کا ٹھیکہ دیا جاتا تھا۔
باقر حسین اس باغ سے نارنگیاں اور کچے پکے امرود بے تکلف توڑا کرتے
اکثر اماں کو کھلاتے۔ چوری کا معاملہ تھا انجینئر صاحب کو شدہ شدہ
معلوم ہوا انھوں نے میاں ذاکر کو بلا کر سخت تنبیہ کی اور یہ بھی کہہ دیا کہ
اگر آئندہ ایسا کرو گے تو تھانے بھیج دیئے جاؤ گے۔ جب یہ خبر سکینہ بیگم کو
پہونچی انھوں نے قیامت کر دی کوئی گالی کوئی کوسنا اُٹھا نہ رکھا۔
رقیہ بیگم بولیں تو خوب دھڑا دھڑی کی لڑائی ہوئی۔

ایک دن مرزا عابد حسین کے ایک دوست نے کئی ٹوکرے امرود اور
نارنگیاں اور اس کے ساتھ کئی قسم کا میوہ تحفۃً بھیجا۔ مرزا صاحب نے بطور
تلافی مکافات وہ سب ٹوکرے مرزا فدا حسین کی بیوی کو بھیج دیئے
لیکن یہ خیال کر کے کہ شاید اُس دن کی تنبیہ میاں ذاکر کے لئے ضرورت سے
زیادہ ہو میاں ذاکر کو بلایا اور رکھایا اور وہ نارنگیاں اور امرود جیبوں
میں بھر کر کھاتے ہوئے ماں کے پاس چلے گئے وہ تو بھری ہی بیٹھی تھیں
ذاکر کا منہ خوب پیٹا رقیہ بیگم نے بہت سمجھایا بجھایا لیکن لڑائی بڑھتی گئی
سکینہ بیگم نے کوئی طعنہ تشنہ اٹھا نہ رکھا کوئی گالی کوسنا نہ چھوڑا جو دھاڑا دیا
ہو جب رقیہ بیگم نے دیکھا کہ انکی عقل ٹھیک نہیں ہے الٹی سیدھی بکے جا رہی
بکتا رہے میاں باقر کے پکارتے ہی چلی گئیں اور سکینہ بیگم اپنا دکھڑا
رو رو کر بھڑاس نکالتی رہیں۔

مرزا باقر حسین علیگڈھ کالج میں تعلیم پاتا تھا رمضان المبارک کی تعطیل
میں گھر آیا تھا اس کی اس قسم کی باتوں سے آشنا نہ تھے وہ ہمیشہ باہر
رہا کرتا تھا اور وہ اپنے وطن اصلی کی طرز معاشرت سے بالکل ناواقف تھا
اس کو یہ واقعہ دیکھ کر انتہا درجہ کا طیش آیا اور باپ سے کہہ دیا کہ ابا جان
اگر ان لوگوں کو اپنے گھر میں رکھنا ضروری سمجھتے ہوں تو یہ بھی ضروری ہے
کہ میرے رہنے کا دوسری جگہ انتظام کر دیا جائے - ان لوگوں کی بدزبانی
کا اثر نادرہ پر پڑتا ہے اور میں اس کو برداشت نہیں کر سکتا - شب کو
کھانے پر مرزا عابد حسین سے سب واقعات بیان کئے گئے انھوں نے
باقر کی رائے کو پسند کیا اور دوسرے دن مرزا صاحب نے مرزا فدا حسین کو
بلا کر اور نشیب و فراز سمجھا بجھا کر اس پر آمادہ کر دیا کہ وہ اپنے اہل و عیال کو
اپنے ہمراہ لیجائیں - مرزا فدا حسین جہاں رہتے تھے وہ مقام ہیڈ کوارٹر سے
۲۵ میل کے فاصلہ پر تھا - ڈاک بنگلہ بنا ہوا تھا ہوادار تھا اور اس کے
شمال گرد پیشہ میں ایک چھوٹا سا سائبان مہتر کے رہنے کے لئے بنا ہوا تھا
مکان سے ملی ہوئی چوکیدار کی کوٹھری تھی -

انجنیر صاحب نے مزید عنایت سے پچاس روپیہ مہتر کے
مکان کی مرمت اور ضروری بلندیوں کے لئے گرانٹ تحویل سرکاری سے
سو روپیہ مرزا فدا حسین کو دلوا دیا اس واقعہ کے تیسرے چوتھے روز
مرزا فدا حسین کی بیوی لڑکی اور لڑکا بہلی پر سوار ہو کر انجنیر صاحب کے
بنگلہ سے رخصت ہوئے اور کوئی دقیقہ انجنیر صاحب کا اور ان کی فرشتہ خصلت

بیوی رقیہ بیگم کا اُٹھا نہ رکھا لیکن مرزا عابد حسین کی بیوی نے دم نہ مارا۔

مرزا فدا حسین نے اپنے بیوی بچوں کو اُسی نو تعمیر مکان میں اُتارا کوسوں تک جنگل تھا نیچی نیچی چھتیں تنگ مکان غرضکہ انجینر صاحب کے بنگلہ کی وسعت و کشادگی اور اس مکان کی تنگی اور خوف وہراس سے ۳ بجے شب تک سکینہ بیگم کو نیند نہ آئی۔

مرزا صاحب نے دوسرے دن مکان کی مرمت کیلئے مزدور لگائے پردہ کی وجہ سے سخت تکلیف ہوئی ڈاک بنگلہ خالی پڑا تھا۔ بیوی بچوں کو چند روز کے لئے اسی میں اٹھا لے گئے۔ ڈاک بنگلہ فرش وفروش سے آراستہ پیراستہ تھا۔ سکینہ بیگم یہ سامان دیکھ کر بہت خوش ہوئیں اور میاں بیوی میں اُس بنگلہ میں رہنے پر ایک مستقل جنگ ہو گئی۔ دو چار دن سکینہ بیگم اپنی ضد سے اُس بنگلہ میں رہیں اور چار ہی دن میں بنگلہ کو بے حیثیت کر دیا۔ جا بجا دیواروں پر پیک کے چھینٹے دری پر بیٹیوں کے پیندوں کے سیاہی کے نشان تیل کے چکنے سنگ مرمر کا شیشہ چکنا چور ہو گیا دروازوں کے کئی شیشہ توڑ ڈالے پنکھے کا میاں ذاکر اور بی ہرمزی نے جھولا بنایا پلنگوں کا جھولا بنا کر سیاں سب ٹوٹ گئیں شاید ہی کوئی ثابت بچی ہو۔ میزوں کی وارنش لبالب پانی کے کٹورے رکھنے سے جا بجا خراب ہو گئی تولیئے سالن بھرے ہاتھ پونچھ پونچھ کے غلیتے کر دیئے۔ بدنصیبی شامل تھی اُسی زمانہ میں۔ ٹھ

انجینیر صاحب دورہ پر آئے ڈاک بنگلہ کا یہ حال دیکھ کر بہت طیش آیا اور مرزا فدا حسین کو بلا کر سخت سست کہا اور دس روپیہ جرمانہ کیا اور مرزا عابد حسین کو ایک چٹھی شکایت کی لکھی کہ اگر آیندہ ایسا قصور منشی کریگا تو برخواست کر دیا جائیگا۔ اس واقعہ کے بعد میاں بیوی میں بھی قیامت کی جنگ ہوئی اور مرزا عابد حسین کو اس چٹھی کے دیکھنے کے بعد سخت ملال ہوا۔

اسی عرصہ میں مکاّ کی جورو جو گھر میں آتی جاتی تھی اُس سے سکینہ بیگم سے خوب لڑائی ہوئی مکا نے اپنی جورو کو اُنکے گھر میں آنے جانے سے منع کر دیا۔ اسی اثنا میں محرم آگیا مرزا فدا حسین نے ایک مہینہ کی رخصت لی بیوی بچوں کو گھر پہنچا یا اور پھر کبھی بیوی بچوں کے بلانیکا نام نہلیا ہر طرح کی تکلیف گوارا کی سختی جھیل گئے آدمی کارگزار ثابت ہوئے ترقی کرتے کرتے آخر پچاس روپیہ کے سب اوورسیر ہو گئے

ذاکر لڑکا ہونہار تھا تربیت پذیر تھا کچھ پڑھ لکھ کر ٹھیکہ داری کا کام کرنے لگا۔ مرزا صاحب کے طفیل سے خاندان سدھر گیا۔ مرزا صاحب کے مقدمہ میں مرزا فدا حسین نے حق قرابت خوب ادا کیا اور ایسی خوش سلیقگی سے مقدمہ کی پیروی کی کہ آخر مرزا صاحب فتحیاب ہو گئے اور مفسدوں کو جیل خانہ ہو گیا۔

مرزا عابد حسین جب پہلے پہل اودھ کے ایک ضلع میں تعینات ہوئے تو سرائے میں اُترے صاحب سے ملاقات کی کار سرکاری سپرد ہوا بہت سے لوگ خوشامدانہ طریقہ سے ملنے آئے اُن میں ایک بگڑے ہوئے رئیس فدوی میاں بھی تھے۔ کسی زمانہ میں زمیندار تھے اب ایک موضع کا نمبر آپ کے نام سے باقی رہ گیا تھا اگرچہ اُسپر بھی اُن کا کارندہ شیو رتن مالک تھا کو بجن پور کی تحصیل وصول شیو رتن ہی کے سپرد تھی لیکن رعایا فدوی میاں کو اپنا زمیندار تصور کرتی تھی اسی لئے شیو رتن ہی بہ مراعات پیش آتا تھا دوسری وجہ یہ بھی تھی کہ حکام وغیرہ فدوی میاں کو مانتے تھے اور شیو رتن چھوٹے درجہ کا آدمی تھا اس لئے رعایا بھی اسکو تسلیم نہ کرتی تھی۔ لطف یہ ہے کہ فدوی میاں دوا دوش کرتے تھے اور شیو رتن مزا اُڑاتے تھے۔ اسم مبارک فدا علی تھا مگر فدوی میاں کے نام سے مشہور تھے خود فرماتے تھے کہ فدوی تخلص ہے لیکن شروع میں فدوی تکیہ کلام ہو گیا تھا اسی لئے فدوی میاں کے نام سے مشہور ہو گئے۔

مرزا صاحب کے آنے کی اطلاع انکو مل چکی تھی دوسرے دن سرائے میں بھٹیا ری سے دریافت کر کے بے تکلف مرزا صاحب کے پاس چلے آئے۔ مرزا صاحب بہت وسیع آشنا تھے مگر پھر بھی وضع و تہذیب کے پابند تھے۔ اتفاق سے اسی وقت بھٹیارہ بھی ادھر آ نکلا اور فدوی میاں

کو اُن کے لقب سے پکار کے سلام کیا۔ مرزا صاحب کو معلوم ہو گیا کہ
ان شریف صورت کا نام نامی فدوی میاں ہے۔ دوران گفتگو میں
فدوی میاں نے کہا کہ سرائے میں آپ کو تکلیف ہوتی ہوگی فدوی
کے مکانات لاتعداد و لاتحصیٰ یوں خالی پڑے ہیں جو پسند آئے
اسمیں اُٹھ چلئے۔ مرزا صاحب نے کرایہ کا سوال کیا کہ فدوی میاں
نے جواب دیا کہ ذاتیات ہیں اس کو عیب تصور کرتے ہیں اس گفتگو کے
دوران میں پنڈت جانکی پرشاد تھانہ دار جو مرزا صاحب کے ہم مکتب
تھے آگئے فدوی میاں سے اُنسے بھی بے تکلفی تھی۔ اُنھوں نے بھی صلاح
دی کہ فدوی میاں کے مکان میں اُٹھ جائیے۔ اُنکے کہنے سے مرزا صاحب
کو یقین آیا کہ فدوی میاں قابل اعتماد شخص ہیں۔ کسی ضرورت سے
فدوی میاں اُٹھ گئے تو پنڈت جی نے فدوی میاں کا سب کچا چٹھا بیان
کیا مرزا صاحب کو حالات سن کر کچھ تامل ہوا لیکن پنڈت جی کے کہنے
سے خاموشی اختیار کی اسی عرصہ میں فدوی میاں دوبارہ نازل
ہو گئے اور کہنے لگے کہ پھر چلئے مکان دیکھ لیجئے پنڈت جی نے بھی
ہاں میں ہاں ملائی مرزا صاحب بھی تیار ہو گئے اور پنڈت جی کو ہمراہ
لیکر مکان دیکھنے چلے راستہ میں ہر کہ و مہ نے فدوی میاں کو سلام کرنا
شروع کیا اور فدوی میاں بھی ہر شخص کے سلام کا جواب مع اس
کے نام کے دیتے تھے اور خیریت بھی پوچھتے تھے حتیٰ کہ منزل مقصود پر
پہنچ گئے۔ مکان واقعی عمدہ تھا۔ مکان مرزا صاحب کو پسند آیا

شیوورتن بھی اس موقع پر پہنچ گیا تھا ایک سیاہ فام ہیلی سی دھوتی باندھے ہوئے اودی چھینٹ کی مرزئی پہنے پاؤں میں چمرودھا جوتا گلے میں پٹا پڑا ہوا تھا سر پر اودی چھینٹ کی ٹوپی یہ تھا شیوورتن کا درباری لباس وہ اس وقت کچہری سے آرہا تھا کرایہ طے ہوا۔ اور سات روپیہ ماہوار پہ مرزا صاحب نے وہ مکان لے لیا۔ اس موقعہ پر فدوی میاں مل گئے تھے۔ مرزا صاحب کا سامان شب کو اس مکان میں آگیا۔ اس عرصہ میں جو واقعات مرزا صاحب کو فدوی میاں سے معلوم ہوئے تو ان کی طبیعت میں تنفر پیدا ہوتا گیا وہ اس منش کے انسان نہ تھے ان کو ارباب نشاط سے دلچسپی نہ تھی پنڈت جی اس گون کے آدمی تھے اس لئے فدوی میاں سے ان سے خوب بنتی تھی۔

فدوی میاں کو مرزا صاحب سے بہت فائدہ روحانی ہوا ہر بات گفتگو پر مرزا صاحب ان کو ٹوک دیا کرتے تھے اب فدوی میاں کی آنکھیں کھلیں اور وہ بھی مرزا صاحب کی صحبت سے مستفید ہونے کیلئے کوشاں رہنے لگے۔

فدوی میاں کے دو لڑکے تھے نثار علی جس کا سن ۱۴ سال کا تھا اور احمد حسن جو بمشکل ۵ سال کا تھا۔ مرزا صاحب نے فدوی میاں کی اس طرح حفاظت اور نگرانی شروع کی گویا وہ بھی نابالغ یا مجنوں کے ولی مقرر ہوگئے ہیں اور فدوی میاں بھی مرزا صاحب کو اپنا سرپرست

اور ہرتی تصور کرتے تھے لیکن اس اتحاد سے شیو رتن بہت تعلق نفع پہنچنے لگا۔ مرزا صاحب کو فدوی میاں اور شیو رتن کے معاملات میں کچھ گنجلک اور غبن معلوم ہوئی مرزا صاحب واقعات کو دریافت کرنا چاہتے تو تھے لیکن فدوی میاں خفیف العقل تھے اس لئے ان سے گفتگو کرنا بھی اس مسئلہ میں منظور نہ تھا لیکن شیو رتن کے چشم و ابرو سے ان کو یہ معلوم ہو گیا تھا کہ شیو رتن فدوی میاں کو اپنی چالاکی سے پریشان کیا کرتا ہے۔

مرزا صاحب نے خفیہ تحقیقات شروع کردی ان کو راتوں کو نیند نہ آتی تھی۔ فدوی میاں کے والد شیخ قربان علی مر گئے تھے جائداد کی تولیت ان کے ماموں شیخ احمد کے سپرد ہوئی۔ شیخ احمد ایک مشہور جعلیہ تھا اور تحقیقات سے پتہ چلا کہ شیخ احمد اور شیو رتن کی سازش سے اس معاملہ میں ایک سنگین جعل کیا گیا تھا۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ شیخ قربان علی نے لکھنؤ میں بعارضہ وبائی انتقال کیا فدوی کی والدہ اپنے شوہر کے سامنے مرچکی تھیں شیخ احمد ان کا سوتیلا بھائی تھا۔ شیخ قربان علی لکھنؤ میں مر گئے تھے اور لکھنؤ میں ایک اپیل کے سلسلہ میں گئے تھے۔ جس دن عدالت العالیہ سے ماندھاتا راجپوت کے حق میں فیصلہ ہوا۔ اسی دن شیخ قربان علی کا انتقال ہو گیا بلکہ اکثر لوگوں کا یہ گمان تھا کہ شیخ نے خودکشی کرلی چاہیئے تو یہ تھا کہ

اپیل جیتنے کے بعد جائداد پر قابض ہو گیا تھا اور اس کے ورثا ہوتے لیکن بخلاف اسکے قابض شیخ احمد اور شیو رتن ہوئے شیخ احمد لا وارث مرگیا اب شیو رتن بلا مزاحمت اعادے اور بے مشارکت غیرے تمام علاقہ پر قابض اور متصرف ہوگیا۔ اور جائداد پدری میں سے ایک بسوہ زمین بھی شیخ فدا علی کو نہیں ملی پانچ برس تک اس معاملہ سے مرزا کو تعلق رہا اسی اثنا میں ان کو لکھنؤ جانے کا بھی اتفاق ہوا اور دفتر دیلی کے محافظ خانہ میں دن دن بھر گزر گیا اور اس طرح کل مقدمہ کی روداد سے انھوں نے واقفیت حاصل کرلی جب واقفیت حاصل کر چکے تو مرزا رسوا کا بیان ہے کہ مرزا عابد حسین نے مجھ سے ایکدن پورا قصہ بیان کیا مجھکو اس کام کے لئے مرزا صاحب کے پاس جانا پڑا اتوار کا دن تھا مرزا دیوان خانہ میں تشریف رکھتے تھے میں فدوی میاں سے مذاق کر رہا تھا کہ مرزا صاحب نے اپنے اردلی سے کہا کہ شیو رتن کو بلا لاؤ

جب شیو رتن آیا تو اس کو بیٹھنے کا اشارہ کیا اور کچھ ضروری امور پر گفتگو کے بعد مرزا صاحب نے مجھ سے کہا۔ ہاں تو ولایت علی خاں مر گیا؟ میں نے جواب دیا جی ہاں دو مہینہ ہوئے مر گیا مرزا صاحب نے سوال کیا کہ آپ جانتے ہیں کہ وہ کون شخص تھا۔ میں نے جواب دیا کہ جب جانتا ہوں کہاری ٹولہ کے متصل جو گلی کا لکھوں کی طرف

جاتی ہے نیم کے درخت کے سامنے۔
مرزا۔ خوب آپ کو خوب معلوم ہے آپ نے سنا کیسی بری
گت سے مرا۔
رسوا۔ بندگان خدا کی حق تلفی کا یہی انجام ہوتا ہے
مرزا۔ سنتے ہیں لاوارث تھا مرنے کے بعد کل اسباب پولیس
اٹھالے گئی ہے۔ اور یقین ہے کہ پولیس نے اسے دفن کیا ہو۔
رسوا۔ جی ہاں یہی ہوا اور یہی ہونا بھی چاہئے تھا۔
مرزا۔ اور وہ نگینہ جو اس کے سرہانے دھرا رہتا تھا۔
رسوا۔ اس کا حال پھر عرض کروں گا۔
اس کے بعد ادھر ادھر کا ذکر ہونے لگا اور شیو رتن کے چہرہ
پر مردنی سی چھا گئی۔ اور اسی شب کو شیو رتن لکھنؤ چلا گیا کئی
دن کے بعد وہ لکھنؤ سے واپس آیا۔

ازالۂ شبہ [illegible] کہ شیو رتن جب لکھنؤ گیا تو مرزا کا ایک آدمی
اسکے ساتھ تھا اور اس کے حالات کی جانچ کرتا جاتا تھا اور وہ نگینہ
نگینہ جسمیں شیو رتن کی جان [illegible] قبضہ میں کئی مہینے پیشتر آچکا تھا۔
اُسمیں [illegible] کاغذات تھے۔ مرزا نے بڑی
تفتیش کی [illegible] معلوم [illegible] کیا [illegible] میں [illegible] گیا تھا اور
چالاکی [illegible] اڑوا لیا اور

بجائے اسکے ایک فیصلہ بچو باندھا تا ولایت علی کی معرفت بنوا لیا گیا
تھا اور پھر باندھا تا نے کچھ معتد بہ رقم لے کر علیحدگی اختیار کر لی
تھی اور سب رہن نامہ شیو رتن کے نام ہو گیا تھا اور اصل فیصلہ
ولایت علی نے دبا رکھا تھا مرزا نے معاملات کو طول دینا
مناسب نہ سمجھا آخر شیو رتن واقعی مجرم تھا جعل ثابت تھا مگر عرصہ
کی بات تھی لہذا شیو رتن نے کل جائداد کا بیعنامہ فدوی میاں
کے نام کر کے صرف ایک موضع اپنے نام چھڑا لیا اور اس فیصلہ
کے چند ہی روز بعد تیرتھ کو چلا گیا اس طرح فدوی میاں پورے
رئیس بن گئے۔

مرزا عابد حسین کے طریقہ زندگی کا بالکل انوکھا ہے مرزا صاحب
ہمیشہ ۴ بجے علی الصباح بیدار ہوتے باغ میں چلے جاتے وہیں
نماز پڑھتے پودھوں کی دیکھ بھال شروع کر دیتے نوکروں و
مزدوروں سے پہلے خود ہی کام شروع کر دیتے کھرپی پھاوڑا
اٹھا کر کام کرنا کسر شان تصور نہ کرتے اسکے بعد نوکروں کو کام
تفویض کر کے اپنی لیبوریٹری میں چلے جاتے دس بجے کھانا کھاتے
اور اخبار بینی میں مصروف ہو جاتے۔ گیارہ بجے کھیتوں پر جاتے
اور اسکے بعد حداد خانہ یا نجار خانہ میں جاتے اور مختلف
قسم کے آلہ تیار کرتے۔ ۴ بجے گھر میں تشریف لے جاتے اور

اولاد کی تعلیم کی طرف متوجہ ہوتے۔ پانچ چھ بجے تفریح کیلئے گھوڑے
یا بائیسکل پر سوار ہو کر باہر جاتے یا کسی دوست کے ساتھ باغ یا
زراعت کی سیر کراتے ایک مرتبہ مرزا رسوا بھی اُن سے اسی وقت
ملاقی ہوئے تھے۔

اُن کا فارم نہایت دلکش تھا۔ کوئی پچاس بیگھ کا فارم ہو گا
چاروں طرف بلند زمین چھوٹی پہاڑی کے سلسلہ میں ہر طرف سے
گھیرے ہوئے ہے۔ گویا یہ رقبہ اس پہاڑی کی گھاٹی ہے بلند
زمین دوسری طرف ایک بڑی جھیل ہے باغ جھیل کے پانی سطح
سے کچھ اونچا ہے باغ اور فارم کے چاروں طرف کھنگار کی دیوار
ہے اور دوسری قطار ببول کے پودھوں کی ہے باغ میں تخمی
اور قلمی آموں کے درخت ہیں پھر ترشادہ کا مختصر تختہ ہے اس سے
ملا ہوا پھولوں کا وسیع چمن ہے۔ اس چمن سے ایک کچی نالی پانی
کی جھیل سے کاٹ کر لائی گئی ہے اس نالی میں کنکر کٹے ہوئے
ہیں جس سے صاف پانی بہتا ہے جا بجا کھنگروں کی پہاڑیاں
بنائی گئی ہیں۔ غرضکہ ہر جگہ مرزا صاحب کی خداداد عقل کے
نمونے نظر آتے ہیں۔

مرزا عابد حسین کا سن شریف اب تقریباً پچاس سال کا ہے

مگر جفاکشی کا یہ نتیجہ ہے کہ وہ بالکل جوان معلوم ہوتے ہیں گندمی رنگ میانہ قد۔ چوڑی ہڈی۔ زبردست کلائیاں مضبوط ہاتھ رفتار کسی قدر سریع سر ہر عضو میں قوت بھری ہوئی تھی ہم دعوی سے کہہ سکتے ہیں کہ ان کو کسی نے کسی وقت بھی بے کار نہیں دیکھا۔

مرزا عابد حسین کی سوانح عمری اُس وقت تک تمام نہیں ہو سکتی جبتک ان کے بعض خطوط شایع نہ کئے جایئں جو بمشکل دستیاب ہوئے ہیں ارادہ تھا کہ ان کا فوٹو بھی شایع کیا جاتا لیکن مرزا صاحب نے اسکی اجازت نہیں دی ہے اس لئے اوپر کے قلمی فوٹو سے وہی فوٹو کھینچا جا سکتا ہے اس طرح گویا ہم نے مرزا سے اپنے ناظرین کا بالمشاہدہ تعارف کرا دیا ہے۔

---

(۱) بیٹے کا خط باپ کے نام

قبلہ من مدظلہ۔ آداب وتسلیمات کے بعد گزارش ہے کہ خدا کے فضل اور آپ کی دعا سے میں انٹرنس کے امتحان میں کامیاب ہو گیا ہوں ایف اے کے لئے میں نے یہ مضامین پسند کئے ہیں اگر آپ اجازت دیں تو انہیں اختیار کروں۔ انگریزی۔ ریاضی۔ سائینس۔ منطق پولیٹکل۔ اکانمی ۔۔ ریاضی میں حساب الجبرہ علم ہندسہ مقالہ مجسم و یازدہم۔ علم مثلث کان سکشن ۔۔ سائینس۔ علم طبیعات و کیمسٹری۔

ریاضی ہیں مسلمانوں میں صرف میں نے ضرور کورس لیا ہے۔ مجکو سائنس پڑھنے کا ذاتی شوق ہے پولیٹیکل اکانمی نیا مضمون ہے لیکن دلچسپی سے خالی نہیں منطق کے رسالے آپنے گھر پر پڑھا دیئے تھے اُنسے بہت مدد ملی۔ فارسی میں لیتا پسند نہیں کی جناب والدہ صاحبہ کو تسلیم۔ سب کو درجہ بدرجہ آداب عرض کر دیجئے کہ مالی کو تاکید کر دیجئے کہ پھولوں کے ناندوں کی اچھی طرح خبرگیری کرے وہ بعض اوقات بے پروائی کر جاتا ہے

عریضہ فدوی باقر

خط کا جواب:- باقر حسین زاد قدرہ۔ بعد دعا کے معلوم ہو کہ مجھے تمہارے انٹرینس پاس کرنیکا حال گزٹ سے معلوم ہو گیا تھا خط لکھنے والا ہی تھا کہ تمہارا خط آیا۔ بہت خوشی ہوئی۔ انتخاب مضامین کے بارے میں اچھا کیا تمنے مجھ سے مشورہ کیا انگریزی اور ریاضی ضروری مضامین ہیں انکے بارہ میں تو کچھ کہنا نہیں ہے۔ ایک کتاب عمدہ چیمبرس ہینڈ بک پولیٹیکل پٹیلس کی بطور انعام بھیجتا ہوں اس کتاب سے تم کو بہت مدد ملیگی ایک غلط مقولہ آجکل بہت مشہور ہو گیا ہے کہ مسلمانونکا دماغ ریاضی کی تحصیل کے ناقابل ہے اس بات کی کوئی اصل نہیں ہے منطق میں یہ مقولہ منجملہ استقرائیات ہے اور استقرا ناقص علم و یقین کیلئے مفید نہیں ہے دیگر مسلمانوں نے خاص اس علم میں بہت کچھ کر دکھایا۔ مسلمان یورپ کے علم ہیئت میں بھی استاد ہیں فارسی نہ لینا بہت ضروری تھا۔ انگریزی اسکولوں میں عربی فارسی نہیں لی اگر شوق ہے تو بی اے پاس کرنیکے بعد پڑھو لو آئندہ دیکھو کہ تم قانون کے درجہ میں نام نہ لکھوانا میں نے سنا ہے کہ تمہارے مدرسہ میں علم ہیئت کا کوئی امتحان مقرر ہے میں سنکر بہت خوش ہوا۔ اس علم میں ہمارے بزرگوں نے بہت محنت کی

اگر تمہارے درجہ کے طلباء ہیئت کے درجہ میں داخل ہونیکے مجاز ہوں تو تم بھی اپنا نام ضرور لکھوالو۔ رقیمہ دعا۔ عابد از دھلی ۲۱ جون ۱۸۸۹ء

تیسرا خط:

مخدوم بندہ تسلیم۔ میں نے سنا ہے کہ جر ثقیل پر کوئی کتاب آپ نے عربی سے اردو میں ترجمہ کی ہے اگر شائع ہو گئی تو ایک نسخہ مجھ کو بھیج دیجئے اگر نہ چھپی ہو تو کسی اوسط درجہ کے کاتب سے لکھوا کر روانہ فرمائیے اگر آپ کسی انگریزی کتاب کا ترجمہ کرتے تو شاید ملک اور قوم کیلئے زیادہ مفید ہوتا کیونکہ فی زمانہ اس علم میں بہت ترقی ہوئی ہے۔ آپکا قدیم نیاز مند ظہور الدین ایم۔ اے

جواب:

قدردان بندہ مولوی ظہور الدین صاحب ایم اے و صلوٰۃ تسلیم

الجواب آپ کے عنایت نامہ مورخہ ۱۴ جون مادو سنہ حال عارض مدعا ہوں۔ واقعی میں نے ابو علی کا ایک رسالہ فارسی سے اردو میں ترجمہ کیا ہے۔ حسب الحکم ایک نقل رسالہ مطلوبہ کی روانہ کرتا ہوں اگر دھلی میں کوئی کارخانہ اسکی اشاعت کا ذمہ لے لے تو بے تکلف بلا تعین حق تالیف دے دیجئے گا۔

ایک نسخہ محقق طوسی کی اقلیدس کا بھی دستیاب ہو گیا ہے میرا

مصمم ارادہ ہے کہ اس کو بجنسہ چھپوا دوں۔
باقر نے بھی بی ایس سی کا امتحان ماشاء اللہ پاس کرلیا ہے مگر وہ ابھی عربی زبان کی اصطلاحات علمی سے نابلد ہے۔ ورنہ اس کو اس کام میں اپنا شریک کرلیتا میرے کہنے سے وکالت کے امتحان کی کوشش نہیں کی امید ہے کہ وہ میرا نعم البدل ہوگا۔ میں نے اُس کو عربی معقولات پڑھانا شروع کیا ہے۔

دھلی میں ایک صاحب میر احسان علی نامی کشمیری دروازے کے قریب رہتے ہیں ان کے پاس ایک اصطرلاب جس کا قطر دس انچ کا تھا لاہور کی بنی ہوئی تھی۔ اگر ابتک وہ نہ بکی ہو تو میرے لئے خرید لیجیئے گا۔ آپ کے چچا ان سے واقف ہیں اس لئے آپ کو دقت نہ ہوگی۔

نیاز کیش عابد

چوتھا خط

معظم بندہ تسلیم۔ رسالہ پہنچا۔ مجھے اس کا فخر حاصل ہو کہ آپ کی دستخط خاص سے ایک رسالہ میرے کتب خانہ میں شامل ہوا۔ آپ تعریف پسند نہیں کرتے کچھ لکھتے ہوئے ڈرتا ہوں اگرچہ امرحق ہی کیوں نہو بہت عمدہ رسالہ ہے ترجمہ کا حق آپ نے ادا کردیا ہے۔

میر احسان علی آجکل پٹیالہ میں ہیں اور اصطرلاب ایک جین سات سو روپیہ کو خرید لے گیا۔ میرا خیال ہے کہ آپکا اصطرلاب

میرا احسان علی کے اضطراب سے کسی طرح کم نہ تھا۔ مجھ کو خوشی ہوئی کہ آپ کی پانچ سو روپیہ کی رقم بچ گئی۔ محقق طوسی کی اقلیدس محشی دیکھنے کا مشتاق ہوئے بھائی باقر کے پاس ہونے کی خبر مجھے انکے خط سے ہو چکی تھی اور مبارکباد بھی دے چکا ہوں چچا جان آپ کو سلام شوق کہتے ہیں۔

عقیدت آگین
ظہور الدین

پانچواں خط :۔

عنایت فرمائے بیکراں جناب مرزا صاحب دام مجدہ تسلیم

یہاں بہمہ وجوہ خیریت ہے اور آپ کی خیر و عافیت کا درگاہ قاضی الحاجات سے شب و روز مستدعی رہتا ہوں۔ باعث تحریر نیاز نامہ یہ ہے کہ تقریب کتخدائی نور نظر ...... ہونے والی ہے کچھ اسباب خریدنا ہے والدہ حسین الدین نے یہ صلاح دی کہ مرزا صاحب لکھنو میں ہیں اُن کو لکھا جائے وہ خرید کر بھیج دینگے فہرست ملفوف خط ہذا ہے کسی آدمی معتبر کی معرفت خرید کر کے بذریعہ ریلوے بہت جلد روانہ فرمائیے نور چشم سلمہا کا جہاں سے پہلے پیام آیا تھا وہیں تقرر ہو گیا گو والدہ حسین الدین کچھ زیادہ خوش نہیں ہیں مگر قرابت کے لحاظ سے میں راضی ہو گیا۔

والدہ حسین الدین کا خیال تھا کہ اسباب جہیز خریدنے کی کیا ضرورت

پیشہ نقد دے دیا جائے۔
مگر میں نے مخالفت کی جب دینا ہے تو چار اپنے پر لڑکے کو بھی معلوم ہو جائے۔
اب جب آیندہ کی اوائل تاریخوں میں شادی سے فراغت ہو جائے گی تو آپکا آنا ضروری ہے مع عزیزی باقر حسین اور بشرط امکان ان کی والدہ کو ضرور روانہ کر دیجیئے گا ورنہ شکایت ہوگی۔

راقم :- ہدایت حسین پیشکار

جواب :-

سید صاحب تسلیم۔ مبارک باد۔ عنایت نامہ آپ کا آیا۔ آپ کے خط سے معلوم ہوا کہ والدہ حسین الدین اور آپکی رائے میں اختلاف ہے۔ ماشاء اللہ صاحبزادی خواندہ اور نہایت ہی سلیم الطبع ہے اور آپ کے ہونے والے داماد الف بے کے نام سے بھی آشنا نہیں اگر لڑکی کی عافیت آپ کو منظور ہوتی تو اس جاہلانہ قومیت کے خیال کو چولھے میں ڈالا ہوتا۔ بقول آپ کے لڑکا گو جاہل ہے مگر نہایت درجہ کم سخن اور غریب ہیں اس کا قائل نہیں ہوں نا جانا کیسے آدمی جانے ہیں جو کچھ آپ نے کیا اچھا نہ کیا مگر ہر کسے مصلحت خویش نکو میداند۔ بھائی صاحب کی رائے بہت ٹھیک ہے اگر خدا نخواستہ لڑکے والے اس قدر محتاج ہیں

کہ اُن کے چولھے پر توا تک نہیں ہے تو اس صورت میں تھوڑا سا اسباب
حسب ضرورت دے دیجئے ورنہ میں تو اسکی کبھی رائے نہ دونگا۔
ابھی رجب کے بہت دن باقی ہیں اب ان امور پر کل غور کر کے
جواب تحریر فرمائینگے۔ افسوس ہے کہ میری اور والدہ باقر حسین کی
شرکت اس تقریب میں نہیں ہو سکتی اور نہ میں اسکی ضرورت
سمجھتا ہوں عزیزی باقر حسین آج کل علم الاحیاء ایک عربی کا ترجمہ
کر رہے ہیں میر صاحب میری صاف گوئی سے خفا نہ ہوجئیگا۔
تعجب ہے کہ باوجود علم و فضل کے بھی انسان اپنے اور اپنے متعلقین
اور احباب کی برائی بھلائی پر نظر نہ رکھے

بھائی صاحبہ کو سلام اور بچوں کو دعا۔
رقیمہ خاکسار :- عابد

جواب :-

جناب مرزا صاحب معظم بندہ دام مجدہا تسلیم۔
آپ کے خط کا ایک ایک فقرہ موتیوں میں تولنے کے قابل ہے
میں بعض وجوہ سے مجبور ہوں میں ہر نقطہ پر عمل کرتا مگر اعزہ
کے طعنہ زنی کے خیال سے مجبور ہوں لڑکے کے ماں باپ
متمول ہیں ان لوگوں کی بناء پر خوشی معلوم ہوتی ہے حسب حال
جہیز دیا جائے

اس شادی میں آپ کی عدم شرکت کا ملال ہے فہرست
اسباب میں بہت ترمیم کردی ہے اسباب جلد بھجوا دیجئے۔
نیاز مند:۔ ہدایت حسین۔

جواب:۔
پیر صاحب تسلیم۔ فہرست ترمیم شدہ اور پہلی فہرست میں
سو۔ سوا سو روپیہ سے زیادہ کا فرق نہیں ہے۔ پیر صاحب آپ نے
اپنی ضد کی اور ایک ناکردہ گناہ معصوم بچے کو معرض خطر میں ڈال دیا
آپ کے خط کو پڑھ کر ایام جاہلیت کی تصویر میری آنکھوں میں پھر گئی
جب لڑکی کو قتل کر دیتے تھے یا زندہ دفن کر دیتے تھے۔
اسباب اسی ہفتہ میں خرید کرکے روانہ کرتا ہوں۔
نیاز مند:۔ عابد

ایک اور خط:۔
مخدومی و مکرمی جناب مرزا صاحب دام برکاتکم تسلیم۔ مجھے
آپ کے ایک دوست سے معلوم ہوا کہ کوئی کتاب روزانہ زندگی
کے نام سے آپ نے تصنیف کی ہے اگر شائع ہو گئی ہو تو ایک جلد
مرحمت فرمائیے ممنون ہونگا۔
خادم:۔ مہادیو پرشاد۔

جواب :-
جناب من - ابھی اس کتاب کی اشاعت کی نوبت نہیں آئی
شاید کبھی بھی نہ چھپے - رقمہ نیاز عابد -

جواب :-
معظمی جناب مرزا صاحب تسلیم - آپ کے مختصر جواب نے مجھے
مایوس کردیا - آخر وہ کتاب کیوں نہ چھپی - اگر کوئی اور کتاب طبع ہو تو مجھے ضرور
عنایت فرمایئے عرضہ خادم :- مہادیو پرشاد

جواب :-
جناب من تسلیم - تصانیف کی قلمی فہرست روانہ کرتا ہوں
براہ راست پبلشر سے منگوا لیجئے میرے پاس کتابیں نہیں ہیں
روزانہ زندگی میں نے مرزا رسوا کی فرمائش سے لکھی تھی - وہ
ان کے حوالہ کردی مرزا صاحب نے میری سپرد جو مرتب کی ہے گی
اسمیں اکثر مضامین اس رسالہ کے اندر موجود ہیں روزانہ زندگی
کا تعلق میری ذات پات سے تھا مرزا رسوا نے شاعرانہ ستائش اور
دوستانہ نوازش سے اس کو افسانہ بنا دیا ہے میری پوری سیرت کا
خلاصہ یہ ہے کہ " ایک چلتی پھرتی کل ہوں جسکی کمائی کی
ضرورت اور جس کی قوت مجبوری - ہے "

مرزا صاحب نے میرے کچھ نجی واقعات کا بھی ذکر دیا ہے شاید کوئی مصنف ان کے شائع کرنے پر آمادہ نہ ہو باوجود دیکہ مرزا صاحب اس کو خلق اللہ کے فائدہ کے لئے ضروری سمجھتے ہیں اس لئے میں نے اسکی اجازت دے دی ہے۔

زیادہ نیاز۔ آپکا خادم عابد۔

جب مرزا باقر حسین نے مدرسۃ العلوم علیگڈھ سے بی ایس کی سند حاصل کی تو مرزا عابد حسین نے جو خط ان کو لکھا تھا وہ یہ ہے۔

عزیز از جان من مرزا باقر حسین سلمہ۔ بعد دعا کے معلوم ہو کہ تمہارے بی۔ ایس۔ سی کی ڈگری کا امتحان پاس کرنیکا حال معلوم ہوا اس موقعہ پر اگر میں خوشی کا اظہار نہ کروں تو تم ناخوش ہوگے اس لئے تمہاری خوشی کیلئے میں نے تمہارے ساتھ قبل اس کے یونیورسٹی کے ہال سے تم گون پہنے ہوئے ڈپلومہ ہاتھ میں لے کر نکلو تین لفظ بی ایس سی تمہارے نام کے القاب میں بڑھا دیا اور خلاف معمول آج تمہارے نام کے نیچے مرزا بھی لکھا ہے واقعی اب تم اس قومی اور خاندانی خطاب کے شایاں ہو میرے نزدیک اعلی درجہ کی تعلیم بھی شرافت کا تمغہ ہے جس سے میں زندگی میں ناساعدت زمانہ کی وجہ سے محروم رہا مگر یہ اچھی طرح یاد رکھنا کہ خالی شرافت کا تمغہ ہوگ

پیاس کی تسکین کیلئے کافی نہیں ہے ہر ایک طبعی حاجت کیلئے طبعی مشقت ضروری ہے تم ماشاء اللہ خود صاحب علم ہو مجھ سے زیادہ اس بات کو سمجھ سکتے ہو۔ روٹی بغیر محنت کئے نہیں مل سکتی ہر شکل بیکاری جیسے لوگ دماغی محنت کہتے ہیں میرے نزدیک اس مقصد کیلئے مفید نہیں۔

روٹی کی ضرورت جو سب ضرورتوں سے زیادہ ہے کلوں کی ایجاد نے جتنا محنت کا بچاؤ کر کے پیدا وار کو بڑھایا اور اتنے ہی کھانے والے بڑھ گئے مانگ زیادہ ہو گئی قیمت بڑھ گئی اور قیمت کا بڑھ جانا بعینہ محنت کا بڑھ جانا ہے۔ یہ ضروری ہے مانگ کے بڑھنے سے رسد اور بڑھ جاتا ہے اور اس سے قیمت گھٹ جاتی ہے۔

میرے ایک دوست پادری صاحب تھے سخت گرمی تھی وہ خس خانہ میں بیٹھے ہوئے تھے اتفاق سے پنکھے والا کہیں چلا گیا۔ کہنے لگا واقعی یہ سخت کام ہے۔ میں ابھی ولایت جا کر پنکھا کھینچنے کی کل ایجاد کر دونگا۔ کل بنی لیکن محنت کا خرچ تقریباً وہی رہا۔ پنکھا قلی بیکار نہ رہا ہو گا۔ حاجتوں نے اس کو اور کاموں پر مامور کر دیا ہو گا۔ فرض کرو تمہارے فارم میں ایک چمار اپنے مکان پہ چھپر رکھ رہا ہے گاؤں والے جمع ہیں لیکن ایک آدمی کی اور ضرورت ہے کیا تم اُس وقت اپنی عالی نسبی اور بی۔ ایس۔ سی۔ کی ڈگری کا تفاخر اپنے دماغ میں لئے ہوئے اپنے اسٹڈی روم میں بیٹھے رہو گے۔ یقینی تم اس غریب کی مدد کرو گے۔ نوعی ضرورتوں کا

بار اٹھانے کے لئے قوت اجتماعی کی ضرورت ہے۔

میں نے سنا ہے کہ تم قانون پڑھتے ہو علم قانون کا حاصل کرنا بہت ضروری ہے۔ وکالت کا پیشہ برا نہیں مگر بڑی احتیاط کا کام ہے غاصب و ظالم کی حمایت کرنا ہر مذہب میں ناجائز ہے میرے بیٹے تم ان جھگڑوں میں نہ پڑو۔

میں نے تمہاری بے اجازت ویبسٹر ڈکشنری کو جلد سے نکال کر اس کے اجزا علیحدہ کر دیئے اور انٹرلیو کے دو دو سو صفحوں کا ایک جزو جدا کر لیا ہے جس قدر الفاظ اور اصطلاحات علمی الفاظ انگریزی کے مقابلے میں مجھ کو یاد ہیں ان کو لکھتا جاتا ہوں ویبسٹر ڈکشنری کے صفحات کا شمار ۱۶۸۰ ہے اگر حساب اوسط ایک صفحہ روز لکھا جائے اور ایک گھنٹہ اس کام پر صرف ہو تو چار برس سات مہینہ گیارہ دن میں کل ڈکشنری ہنستے کھیلتے ترجمہ ہو جائیگی نئے لفظوں کے گڑھنے میں ایک خاص ملکہ ہے جب تم میرے ساتھ کام کرو گے تو عجب نہیں کہ چند روز میں یہ لیاقت تم میں بھی پیدا ہو جائے۔

میرے دوست اور تمہارے بزرگ مرزا رسوا صاحب نے میری سوانح عمری لکھنا شروع کی ہے وہ اس کے ساتھ میرے خطوط بھی شائع کرنا چاہتے ہیں لہذا تمہارے پاس جو خطوط میرے ہوں اور یہ خط بھی مجھ کو واپس کر دینا تاکہ سوانح عمری میں شائع کر دیئے جائیں

ان کی طرز تحریر سے تم واقف ہو انھوں نے میری زندگی کے عام واقعات کو ناول بنا دیا ہے مگر اتنی عنایت کی ہے کہ اشیا نہیں لکھوے جس کا میں ممنون ہوں۔ والدعا۔ راقم عابد

مرزا صاحب۔ السلام علی من اتبع الہدی۔ ایک امر دینی نے مجھ کو اس خط لکھنے پر مجبور کیا۔ میں نے سنا ہے کہ آپ مفلسی کو گناہ سمجھتے ہیں آپ تقدیر کے قایل نہ ہوں گے۔ نیچریوں کا بھی مسلک ہے۔ ایک زمانہ میں آپ خود نادار تھے بلدیو مستری کے لڑکے کو پڑھاتے تھے۔ شاید اب آپ بھول گئے۔ تنیش چندروزہ میں پڑکر خدا کو بھول جانا کفران نعمت ہے پہلے آپ کی عقاید بہت درست تھے۔ سنا ہے کہ اب آپ نیچری ہو گئے ہیں اور مساکین اور فقرا کی امداد کو برا تصور کرتے ہیں

ہزاروں روپیہ بطور چندہ کے دیا اور جو کتابیں کفر و ضلالت کی آپ لکھ رہے ہیں ان کے شائع کرنے میں ہزاروں روپیہ کے صرف کا بار اپنے ذمہ لیا۔

قرین قیاس ہے کہ دولت کی زیادتی سے آپ میں غرور سما گیا ہے شاید سعدی کا یہ شعر یاد نہیں رہا

تکبر عزازیل را خوار کرد بزندان لعنت گرفتار کرد

الراقم:۔ عبداللہ۔

اس خط کا جواب مع اصلی خط کے مرزا محمد حسین نے ایک اخبار میں شائع کر دیا تھا۔

جناب عبداللہ صاحب کا خط میں نے پڑھا۔ انکی حمیت دینی سے میرا دل بہت خوش ہوتا اگر وہ خلوص کیسا تھ ہوتی۔ قبل اس کے کہ اعتراضات کا جواب دوں۔ میں ایک نصیحت کرتا ہوں امید ہے کہ ضرور آئیندہ عمل کروگے بندہ خدا کسی کے نام سے خطوط لکھنا خصوصاً اس حالت میں جبکہ عبارت خط کی متضمن ہو کسی جرم قانونی پر ایک امر خطرناک ہے کیونکہ خفیہ پولیس کو تنخواہ سرکار سے ملتی ہے وہ فضول نہیں ہوتی کاتب کو اس امر کے یقین دلانے کے لئے کہ میں اپنے دعوی میں صادق ہوں اس کو ایسا پتا دیتا ہوں جس سے وہ سمجھ جائیگا کہ میں اس کو خوب پہچانتا ہوں۔

حسین آباد۔ مشکل گنج فیض آباد

اس کی بے تہذیبی پر مجھے افسوس ہوا اور اس کی وجہ وہی مفلسی ہے جسے میں گناہ سمجھتا ہوں اب اعتراضات کا جواب دیتا ہوں میں مفلسی کو گناہ نہیں کہتا مگر خود اختیاری مفلسی کو گناہ سمجھتا ہوں اس کا سبب اسراف ہے اور اس کا مزید اسباب تن آسانی اور کاہلی ہیں۔

عقاید کے باب میں کچھ لکھنا میں فرض نہیں سمجھتا۔ اقرار

شہادتوں کے بعد کسی کو یہ حق نہیں کہ شخص مقر کے اسلام سے انکار کرے۔ اور جو اس پر بھی منکر ہو اس منکر پر کسی امر کے ثبوت کیلئے مہر ۵۰ بھی کافی نہیں ہے۔

بیشک میں نے ایک متکلم فقیہ ثقہ نوجوان فاضل کو بطور ہدیہ محض پانچ سو روپیہ فرض منصبی سمجھکر نذر کئے تھے۔ کا تب نیچری اور لامذہب کہتا ہے اور جو کتابیں میں لکھ کر شایع کرتا ہوں حالانکہ ان میں کفر و ضلالت ہو بلکہ وہ مغربی علوم کی کتابیں جنکی اسوقت نہایت ضرورت ہے اور ہزاروں بلکہ لاکھوں بندگان خدا کی بھلائی اس میں متصور ہے قوم اور ملک کی مفلسی اس کے عدم علم پر منحصر ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ اسنے مجھے ترجمہ کرنے اور اوس کی اشاعت کی توفیق مرحمت کی۔

بلدیو کے لڑکے کے پڑھانے کا طعن کاتب کی سخافت عقل پر دلیل ہے بعض علماء ملت نے جنگلوں سے لکڑیاں کاٹ کر بازار میں فروخت کرنے کو حقیر نہ سمجھا۔ خود باب مدینۃ العلم حضرت علی مرتضیٰ یہودیوں کے کھیتوں میں پانی دینے کو ذلیل نہ تصور فرماتے تھے۔

میں فخریہ کہتا ہوں کہ میں مادھو (پسر بلدیو) کے پڑھانے پر پانچ روپیہ کا نوکر تھا۔ اور میں نے بلاسی لوہار سے لوہاری کا کام سیکھا۔ اور اس طرح برسوں اپنے اور اپنے اہل وعیال کے لئے

ماحصل یہ ہوا کی اگر کبھی اپنے کار منصبی میں سستی اور کاہلی نہ کی مادہ
نے میری تعلیم سے بہت فائدہ اٹھایا۔ جو اعلیٰ درجہ کا میکانک ہے۔
اور میرے کارخانہ حدادی کا مہتمم ہے اور اس کار خیر میں میرا
شریک ہے مجھے فخر ہے کہ میری تعلیم بے کار نہیں ہوئی۔

الراقم :- عابد لوہار

غریب پرور سلامت۔ بعرض می رساند

فدوی قوم شریف سے ہے فدوی کے والد سرکار انگریزی
میں ڈپٹی کلکٹر تھے اور فدوی کے نانا عہد شاہی میں رسالہ دار
تھے اور فدوی کی نانی نواب ثروت محل کی منہ بولی بہن
تھیں مگر بالفعل بسبب گردش فلک کج رفتار کے نان شبینہ کو محتاج
ہے آپ کی دریا دلی اور سخاوت کا شہرہ دور سے سن کے
آیا ہے امید ہے کہ ایک لقمۂ نان کو پہنچ کر تا عمر دعا میں مصروف رہے

شاہاں چہ عجب گر بنوازند گدا را

الٰہی آفتاب دولت اقبال تا ابد الآباد تاباں و درخشاں باد

عرضے فدوی سرفراز حسین بقلم خود

جلیل الشان رفیع المکان مرزا عابد حسین صاحب دام اقبالکم۔
بعد ادائے ہدیہ سلام کہ بہترین تحفہ اسلام است
واستمزاج مزاج وہاج ریاست امتزاج باعث تحریر یہ ہے کہ
جناب سرفراز حسین صاحب کی شرافت خاندانی ونیز لیاقت ذاتی
سے کما حقہ واقف ہوں اگر آنجناب کی مساعی جمیلہ سے کوئی عہدہ
معقول اُن کو سرکار انگریزی میں مل جائے تو یہ مخلص قدیم
نہایت ہی ممنون ہوگا۔

الداعی الی الخیر ابوالخیر ابوالخیرات
سید مکمل الدین الملقب بہ تکملۃ العلما

[illegible]

جواب

جواب مولانا صاحب تسلیم :- افسوس ہے کہ سرکار
انگریزی سے کوئی مدِ خیرات میرے حوالے نہیں ہے اور اگر ہوتی
بھی تو میں سایل کو ایک حبہ نہ دیتا۔ اس لیے کہ ایسا شخص جو
محنت کرنیکی قوت رکھتا ہو۔ اور شرافت خاندانی جتا کر بھیک مانگے
اُسکی رعایت کرکے قوم کو بھیک منگانا بنانا ہے۔ سایل شاید کچھ خواندہ ہے
اگر وہ محنت کرنے پر آمادہ ہو تو میں اس کو دس روپیہ ماہوار کی ملازمت
واری (جمعداری) پانچ آنہ روزانہ کی دے سکتا ہوں اس سے زیادہ میں
اور کچھ نہیں کر سکتا۔ معاف فرمائیے۔

سائل نے اپنی عرضی میں کلمات گستاخی میری نسبت لکھے ہیں مثلاً شاہاں چہ عجب الخ اس کو میں کم علمی پر محمول کرتا ہوں مگر حیران ہوں کہ جناب کے مبالغات صریح اور مکابرات بیّن کو کس حد میں شمار کروں۔

خادم العلما عابد

عالیجناب معلی القاب قدردان علم و ہنر فیض گستر مرزا عابد حسین صاحب دام الطافہ۔ بعد تسلیم بصد تکریم معروض آنکہ مدت مدید و عرصہ بعید منقضی ہوا کہ آپکی خیر و عافیت معلوم ہوئی آپ تخلص قدیم کو بالکل ہی بھول گئے تو

تم ہمیں بھول گئے ہو صاحب
ہم تمہیں یاد کرتے ہیں

مدت ہوگئی کہ ایک پرچہ قرطاس سے یاد شاد نہ فرمایا۔ نواب احمد حسین خاں شاعر نے ایک قصیدہ بہاریہ ذو مطلعین آپکی مدح میں تحریر کیا ہے خوب کہا ہے امید قوی ہے کہ آپ اس شاعر کی محنت کی داد اور لیاقت کا صلہ دینگے آپ اس قصیدہ سے بہت خوش ہونگے تشبیب اس قصیدہ کی بالکل حسب حال اور حال نیچرل مذاق کی ہے قصیدہ سرتاپا مرصع ہے لیکن خصوصیت سے باغ کا سین بہت ہی اچھا کھینچ گیا ہے۔

جواب :

میر صاحب دوستوں کو بھول جانا ایک خلق مذموم ہے۔ اپنے شاگرد
کی مدح سرائی میں جسقدر شاعری مبالغوں کو آپ نے دخل دیا ہے اسکی
داد میں ایسی حالت میں دے سکتا تھا کہ میں کبھی آپکے مثل شاعر ہوتا۔
میرے آپ کے مزاج کو نہ بچپن میں تھی اور نہ اب میں اسکو جائز رکھتا
ہوں آپ نے رقعہ میں کھلم کھلا مجھ کو پیغمبر بنایا ہے۔ آپکی خاطر سے
میں نے قصیدہ کی تشبیب اس نظر سے دیکھی کہ آپ یقین کیجیے کہ اسمیں
ایک برگ خزاں کا بھی فوٹو نہیں ہے۔ آپ نے تمام عمر شاعری کی ہے
اور میں نے بالفعل ایک مصرعہ بھی موزوں نہیں کیا۔ لیکن جرأتانہ کہونگا
حقیقت یہ ہے کہ آپ ابھی تک شاعری کے مفہوم سے نابلد ہیں آپ عمر کا بڑا
قیمتی حصہ ان لغویات میں ضائع کر چکے اس سے باز نہیں رہ سکتے۔
لیکن اپنے ساتھ ہونہار ناتجربہ کار لڑکوں کو تباہ نہ کیجیے آپکی وثیقہ سے
بندھ گئی اور یہ بیچارے شغل بیکاری میں فاقوں سے مر جائینگے
ہاں خوب یاد آیا تم نہیں بھول گئے اخراب ایسے سن رسیدہ شخص کی
طرف سے مجھ بڈھے کی شان میں کس قدر ناموزوں ہے معاف فرمایئے
اور آئندہ خطوط سے مجھ کو یاد شاد نہ کیجیے۔

آپ کا قدیم ملامت گر :- عابد

ولایت سے ایک دوست کا خط

جناب مرزا صاحب تسلیم۔ پیرس کے اس کتب خانہ میں گیا اور

حکیم عمر خیام کا الجبرہ دیکھا آپکا خیال بالکل درست ہے۔ پیرس میں
بہت کم ٹھہرتا تھا۔ اس لئے اس کتاب کی نقل نہ کر سکا۔ آجکل
میرے ذمہ بہت کام ہے۔ معاف فرمائیے آئندہ تعطیل میں تعمیل کی
کوشش کروں گا۔ آپ کا خادم:۔ عبدالحسنین

جواب:۔

جناب من۔ آپ بیرسٹری کی دھن میں ہیں معلوم ہو گیا آپ سے
میرا کام نہ ہوگا آپنے مجھ کو بالکل مایوس کر دیا۔ اگر کیوریٹر سے اتنا آپ
اور دریافت کر لیتے کہ نقل مل سکتی ہے یا نہیں تو کسطرح تو کچھ
زیادہ وقت صرف نہ ہوتا فرنچ بھی آپ کافی جانتے تھے اس لئے اجنبیت
زبان کا بھی عذر نہیں مل سکتا تفصیلی خط کیلئے دو لفظیں چھپے مگر
مطلب سے زیادہ شوق۔

آپ کا دوست:۔ عابد

شیخ صاحب تسلیم۔ آپ مجھ کو بسلسلہ شکایت لکھتے ہیں کہ تیرے
ضلع میں جو مذہبی مناظرہ ہوا تو اسمیں نہیں گیا یہ کیا ضرور ہے کہ جس قسم
کی آپکی طبیعت ہو ویسی لازمہ میری بھی ہو۔ سی مناظرہ کا نتیجہ میں نے
نہیں سنا کہ کوئی سنی شیعہ ہو گیا یا کوئی شیعہ سنی ہوا اور نہ کوئی عیسائی
مسلمان ہوا نہ بالعکس۔ ہاں ضد اور تعصب کسی قدر زیادہ بڑھ جاتا

اور ان قوتوں کے بڑھ جانے کی مجھ کو ضرورت نہیں معلوم ہوتی۔ نہ ہمارے
دعا ہے کہ مسلمانوں کی ضد اور تعصب کم ہو۔ علمائے ملت نے کافی
سرمایہ تحقیق کا مہیا کر دیا ہے ایک عمر کے مطالعہ کرنے کیلئے کافی ہے تو تو
میں میں سے کیا فائدہ۔ پہلے فکر معاش کیجئے اور جب یہ حاصل ہو جائے
تو خلق اللہ کی بھلائی کی کوشش یا کم از کم اپنی بھلائی کی سعی فرمایئے
والسلام۔ آپ کا نیاز مند ۔ عابد

جناب۔ آپ مجھ سے پردہ نسواں کے باب میں رائے طلب کرتے
ہیں حضرت اس بحث وسیع کی عمومی حیثیت سے نظر کر کے میں ایک
بات اس ملک کے باب میں عرض کئے دیتا ہوں جہاں کا میں رہنے
والا ہوں اور آپ بھی یعنی ہندوستان جنت نشان
وہاں مردوں کو بھی پردہ کرنا چاہیئے۔ شہروں کی گلیوں میں فحش
گالیوں کی بوچھار ہر طرف سے رہتی ہے خدا نہ سنوائے آزادی
خیال کے ساتھ بے غیرتی مشروط نہیں ہے پہلے ملک کے اخلاق کو اس
درجہ پر لائیے کہ لوگ عفت کے مفہوم کی فکر کریں اور سلف ریسپکٹ کا
خیال پیدا ہو پھر عورتوں کے پردہ کے باب میں کلام کیجئے گا مجھے شہر
کی گلی کوچوں میں خدا سے ڈرنے والے کہیں نظر نہیں آتے مرزا
رسوا کی رائے سے اس باب میں نہایت لطیف اور معقول ہے کہ
جو صاحب اس باب میں پیش پیش ہوں وہ پہلے اپنی عورات کو

بے پردگی کی اجازت دیں تاکہ لوگوں کے لئے مثال ہو جائے۔ جبتک کوئی صاحب پیش قدمی نہ کرینگے یہ رسم قبیح دور نہ ہوگی۔

والسلام۔ خادم الاحباب:۔ عابد

ابا جان بعد آداب و تسلیمات کے عرض پرداز ہوں کہ میرے ساتھی اکثر آپکے افادات سے مستفید ہونیکا شوق رکھتے ہیں۔ یہ مرا سلہ جس کا جواب لکھ رہا ہوں میرے ایک دوست مولوی صلاح الدین صاحب بی اے نے مجھ سے لیکر پڑھا انکو خطرہ گزرا کہ آپ شاید جینئس کے قایل نہیں ہیں لہذا آپ اس امر میں اپنے خیالات سے زیادہ توجہ کیساتھ مستفید فرمایئے۔ خادم باقر۔

عزیزی باقر حسین سلمہ۔ میری طرف سے مولوی صلاح الدین کو سلام کہنا یہ نہیں کہ میں جینئس کا قایل نہیں ہوں۔ کسی قابلیت کا حد سے زیادہ یا کم ہونا عموماً نہیں پایا جاتا اوسط درجہ کی صورت دماغ ذہن فطرت کے طرف سے ہر شخص کو عنایت ہوا ہے مولوی صلاح الدین صاحب کا خوف اس باب خاص میں قابل قدر ہے جزاہ اللہ خیر الجزا میں فزیکس آف نیچر کو لغوی معنوں میں ہرگز نہیں لیتا اور نہ کوئی عاقل دیندار اسکا قائل ہوسکتا ہے یہ عامیانہ محاورہ ہے ہر موجودہ حادثات کو ایک فاعل قادر مختار کا فعل سمجھتا ہوں میرا یہ اعتقاد ہے کہ ایسا ہی ہونا چاہیئے کا

جیساکہ ہوا۔
رقیمہ دعا۔ عابد

محسن قوم مرزا عابد حسین صاحب ام برکاتہ تسلیم خدا آپکی ہمتوں میں برکت دے میں نے سنا ہے کہ آپ اکثر کارآمد علوم و فنون کا ترجمہ فرما رہے ہیں واقعی اس سے قوم اور ملک کو بڑا فائدہ پہونچے گا۔ اردو زبان کی ترقی بھی اسی میں متصور ہے خدا آپکو جزائے خیر دے جسقدر کتابیں طبع ہوتی جائیں اسکی ایک ایک جلد بذریعہ وی۔ پی مجھکو روانہ فرمایئے بلکہ میرا شوق تو یہ چاہتا ہے کہ جسقدر اجزا جس کتاب کے چھپتے جائیں وہ مجھکو بھیجے جائیں۔

جبتک علوم ہماری زبان میں نہ آئینگے ملک و قوم کی ترقی نہیں ہوسکتی لیکن راقم کے خریدار بہت کم لوگ ہونگے پنجاب یونیورسٹی کی ابتدائی دور میں مغربی علوم کا بذریعہ دیسی زبانوں کے تعلیم کا خیال پیدا ہوا انکا لوگوں نے مخالفت کی۔ اسی لیئے پنجاب یونیورسٹی میں علوم مشرقیہ کے امیدوار کم ہوتے جاتے ہیں۔ میں نے آپکا قیمتی وقت ضائع کیا معاف کیجیے گا۔

زیادہ نیاز۔ راقم بشیر الدین احمد ایم اے
از بریلی :۔ محلہ ذخیرہ متصل رومی دروازہ

جواب :۔

جناب مولوی بشیر الدین صاحب ایم اے دام الطافہ تسلیم آپ کا

نہیں کرتے ہیں اپنی رائے نہایت بے تکلفی سے ظاہر فرمائینگے کیونکہ آپ بارہا فرما چکے ہیں کہ مروت کا عام مفہوم ایک خلقی ضعف اور ضعف طرح طرح کی اخلاقی برائیوں کا موجب ہوتا ہے۔

نیازمند۔ رسوا

جناب مرزا صاحب تسلیم۔ میں تساوی استعداد کا قائل ہوں میرا خیال ہے کہ میں بھی موزوں طبع اور بالقوی شاعر ہوں اور آپ بالقوۃ میٹا ٹک۔ میں نے اپنے بڑے لڑکے باقرسلمہ کی تمام امیدوں کو خاک میں ملا کر اچھا خاصا بیرسٹر بنا دیا۔ اس کے بعض انگریزی تراجم عربی کتب سے ولایت میں چھپ گئے ہیں۔ ویبسٹر کا ترجمہ ہوتا جاتا ہے۔ اس لغت سے اردو زبان دفعتہً کس مرتبہ پر پہنچ جائیگی۔ اب آپ ہی انصاف کیجئے اگر ہم باپ بیٹے شاعری کرتے تو ملک و قوم کا کیا فائدہ ہوتا۔ شاعری کا شوق مسلمانوں میں نسلاً بعد نسلٍ چلا آتا ہے۔ جو کچھ اس سلسلہ میں ہو چکا ہے وہ ضرورت سے زیادہ ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ میں بھوک سے صدمہ اٹھا سکے ہوئے ہوں اس لئے میں سب سے زیادہ ضروری یہ سمجھتا ہوں کہ اس درد کا علاج ہو۔

ایک اور بات ذہن میں آ گئی ہے کہ کمیٹیوں اور سوسائیٹیوں سے کچھ ہوتا نہیں ہے بڑے کام شخصی محنتوں سے

ہو سکتے ہیں ۔ میں ایک ستجو جاہل قوم سے ہوں اگر مگر سے بہت چڑھ
بیٹھے ہوا اسکے بھروسے سے دنیا کا کام نہیں چلتا میں نے خود
غلطی کی بہت سے کام اپنے ذمہ لے لئے ۔ اگر میں صرف ایک ہی
کام کی کسی جز و کی تکمیل اپنے ذمہ لے لیتا ۔ تو شاید زیادہ
فائدہ پہنچا سکتا مگر امید کرتا ہوں کہ اس کو انجام دوں گا ۔
اب میں اس مبارک فقرہ پر خط کو ختم کرتا ہوں ۔

السعی منی والاتمام من اللہ

نیاز کیش ۔ عابد

۳۰ مئی ۱۹۳۷ء

ناظر کاکوروی ۔
شاکر منزل جگت نراین روڈ لکھنؤ